



سجاد مرزا مزاحیہ شاعری کے ”مرزا جٹ“، ہیں، لیکن اس طرح کہ نہ تو انہوں نے طنز کے تیر کسی ”جنڈ“ پر لٹکنے دیے ہیں اور نہ ہی کوئی ”ویرشمیر“، تھقید کا بھالا لیے، ان کے تعاقب میں ہے۔ ہاں البتہ مزاح کی پھل جھڑیاں ان کی شاعری کی ”صاحبان“ کے ہونٹوں پر ہمہ وقت چھوٹی اور پھوٹی نظر آتی ہیں۔ مزاحیہ شاعری اپنے دربار میں ایک سکھ بند شاعر کی آمد پر اسے خوش آمدید کہتی ہے اور اس کے استقبال کے لیے آداب بجالاتی ہے:

ظرافت سے کرے دل شاد، مرزا
کہو سب مل کے زندہ باد مرزا
• نہ لے کیوں شاعری پر داد مرزا
کہ اس کا نام ہے سجاد مرزا

ڈاکٹر انعام الحق جاوید

قافلہ ادب کا عظیم سالار..... آپ کا پسندیدہ شاعر، دشیت تہائی، درد کی خوبصورتی، شوق نیاز، غالب نکتہ بیس اور لفظ آئینہ جیسی کتابوں کا خالق سجاد مرزا..... اب دیدہ بیباک کے ساتھ آپ کے سامنے جلوہ افروز ہے۔ اب کی باروہ طنز و مزاح کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ادب کے میدان میں اترنا بکار ہے۔ اب کے جرنیلوں سے اکیس توپوں کی سلامی لے کر اس نے طنز و مزاح کے چبوترے پر قتا دیدہ بیباک سے آپ کو دیکھ دیکھ کر ظرافت کے رنگارنگ غبارے چھوڑ رہا ہے۔

محمد اقبال نجی



سیدنام

ظریفہ و مزاحیہ کلام

سجاد مرزا



فروغِ ادب اکادمی

لاہور—گوجرانوالہ—اسلام آباد

ضابطہ

نام کتاب	دیدہ بیباں
تخلیق کار	سجاد مرزا
سال اشاعت	۲۰۰۹ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	مشہود پے
کپوزنگ	سجاد کپوزنگ سٹر۔ دین پلازا، گوجرانوالا
سرورق	بلال
ناشر	فروغ ادب اکادمی
۸۸- بی سیلہ سٹ ناؤن گوجرانوالا		



احمد بشارت کے نام

سجاد مرزا کی مطبوعہ کتب

۱966ء	لہو پکارے گا	-1
۱983ء	سوچاں	-2
۱984ء	اکھرال ہتھ زنجیرال	-3
۱986ء	بقاۓ دوام	-4
۱988ء	کیفِ دوام	-5
۱990ء	دشتِ تہائی	-6
۱992ء	چراغِ آرزو	-7
۱994ء	درد کی خوشبو	-8
۱994ء	غالب نکتہ بیس	-9
۱997ء	پرتو اقبال	-10
۱998ء	شوقي نياز	-11
2002ء	لفظ آئينہ	-12
2009ء	دیدہ بیباک	-13

ہر طرف لوگ رُٹپتے ہوئے دیکھے ہم نے
”لے کے جائیں تجھے اے دیدہ بیباک کہاں؟“

اب کے دل جو ذرا سنبھل جائے
 شعر لکھوں میں چٹ پئے جانا!

پیشوائی

سجاد مرزا کی کتاب ”دیدہ بیباک“ کا مسودہ زیرِ نظر ہے۔ یہ ان کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ اس مسودے کی تقدیم کے لیے میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ کتاب سے پہلے تخلیق کار کا عام اور مختصر تعارف کراؤں، کیوں کہ کتاب تخلیق کار کی شخصیت ہی کا تحریری اظہار ہوتی ہے۔ اس کے بعد چونکہ کتاب طنز و مزاح کا مجموعہ ہے، اس لیے اس صفتِ سخن کی ماہیت پر کچھ عرض کروں گا۔ کچھ اس کا اردو ادب میں ارتقا کا ذکر کر دوں گا۔ اس کے بعد کتاب کے مندرجات پر تفصیلی بحث کروں گا اس طرح کتاب کی اہمیت اور افادیت قاری پر اچھی طرح واضح ہو جائے گی اور کتاب کی اشاعت کا جواز بھی پوری طرح ثابت ہو جائے گا۔

میری ذاتی معلومات کی حد تک سجاد مرزا کا ذاتی اور صفاتی تعارف یہ ہے کہ وہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالا میں اردو کے اسٹاد کی حیثیت سے پڑھاتے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں متعدد نظم و نثر کی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ نظم کی کسی صنف میں ان کا قلم کوتا ہی نہیں کرتا۔ اردو، پنجابی، انگریزی اور ہندی میں انہیں اچھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ شاعری میں برج بھاشانی زبان بھی بڑے مزے میں استعمال کرتے ہیں۔ جہانیاں جہاں گرد ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کی ہے۔ وہاں کی تہذیب کو بھی دیکھا اور پرکھا ہے اور وہاں کے تمدن کو بھی۔ مغربی تہذیب کے لفظ سے بیزار ہو کر واپس آگئے لیکن با ایں ہمہ شخصیت کے رچاؤ اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ۔

یہ اعجاز ہے حسن دیوانگی کا
جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے

محبت اور دیوانگی فطرت کا لازمی غصر معلوم ہوتا ہے۔ بقول شاعر ”مرا مزاج لا کپن سے عاشقانہ ہے۔“ اسی شاعرانہ قول کے مصدق ہیں۔ جنونِ عشق کی سیر گاہ میں بھی گھومے پھرے ہیں۔ اس لیے غزل خوب کہتے ہیں۔ بلکہ اس فطرتی جذبے کے صدقے میں نظم کی ہرنوع میں

آپ کو تغزل کا خاصاً چوکھا رنگ نظر آئے گا۔ ان کا یہ لہجہ و آہنگ دل کو آسودگی بھی دیتا ہے اور دماغ کو داہاتی بھی۔ یہ اسلوب زندگی کے سفر کو آسان بنانے میں بھی مددگار ثابت ہو گا اور مصائب و آلام کو ہلکا کر کے، ان کے مقابلے کا حوصلہ عطا کر دے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ طنز و مزاح ایک مشکل طرزِ نگارش ہے۔ اس میں محنت اور ریاض یا التفاقات لکھنے والے کو کام نہیں دے سکتے۔ دراصل اس سخن کی صنف کے لیے نظر کی تیزی اور مشاہدے کی طراری کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظر اس قدر دور رہ ہو کہ ہر منظر کے بطن میں اتر جائے۔ خصوصاً انسان کے تحت الشعوری عوامل اور تحریکات کو دیکھ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزاح نگار اپنی تیزی نگاہ سے انسان کے ظاہر اور باطن کو دیکھ لیتا ہے اور دونوں کا فوراً تقابلی مطالعہ کر کے تضادات کو باہر نکال لاتا ہے۔ پھر انہی تضادات کو تقابل کے ساتھ اپنی دل کش زبان اور دلچسپ پیریہ اظہار میں بیان کر کے مزاح پیدا کر دیتا ہے یا طنز کا تلخ رو یہ اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح اصلاح احوال کی ایک دلچسپ اور مفید صورت نکال لیتا ہے اور یہی کارکردگی اس کی افادیت کی صفائح بھی بن جاتی ہے اور اہمیت کی بھی۔ کامیاب طنز و مزاح کے لیے تضاد بطن کے علاوہ ایک اور صنعت کی بھی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بہت ضرورت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ افسانے کے پلاٹ کی طرح قاری پہلے سے یہ محسوس نہ کر سکے کہ تخلیق کار، اب اندازِ اظہار میں اور واقعات کے بیان میں کیا رخ اختیار کرے گا۔ ہر حملہ غیر متوافق اور غیر محسوس ہونا چاہیے۔ اسی طرح سے نگارنده کی قاری کے ذہن پر آخر تک پوری گرفت ہوتی ہے۔

مزاح نگار کے لیے صرف زندگی کے گردو پیش کا مطالعہ ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اسے مختلف علوم کے مطالعے کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اسے مختلف تاریخی، تلازی اور تہییحی حوالے دینے پڑتے ہیں۔ روایات اور ضرب الامثال کی طرف بھی اشارے کرنے پڑتے ہیں۔ زندگی کے مختلف فلسفوں کو بیان کرنا پڑتا ہے اور یہ تمام چیزیں اظہار و بیان میں صلابت اور وزن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہی خیالات میں تحریک پیدا کرتی ہیں اور قاری کو لطف اندازی کے ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیتی ہیں۔

”دیدہ بیباک“ کا مسودہ پڑھنے سے مجھے پورا اندازہ ہو گیا ہے کہ مندرجہ بالاتමام لوازم و کوائف سجاد مرزا کی ادبی شخصیت اور وجہت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کائنات اور ہماری روز مرہ کی زندگی میں ظاہر ہونے والی اشیاء اور واقعات جنھیں ہم عام طور پر لائق توجہ بھی نہیں گردانے، وہ مزاج نگار اور طنز طراز کے یہاں پہنچ کر رازوں اور حکمتوں کا مظہر بن جاتے ہیں اور یہ تصویر یہیں بھی بڑی پہلو دار ہو جاتی ہیں۔ وہ انھیں نئے نئے زاویہ ہائے نظر سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ لیکن ایک ذہین اور حقیقت پسند مزاج نگار اس پہلو داری میں بھی حقائق کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ سجاد مرزا نے بھی کائنات اور زندگی کے حقائق کو اپنے تخیل کی رنگارنگی اور پہلو داری کے باوصف حقائق کو کہیں نظر انداز نہیں کیا۔ کہیں ہوائی قلعے نہیں بنائے۔ کہیں اظہار اور ابلاغ میں بے جام بالغہ اور غلو سے کام نہیں لیا۔

طنز و مزاج دو علاحدہ اکائیاں اور عنوانات ہیں۔ ان کا اپنا شخص علاحدہ۔ اجزاء ترکیبی مختلف اور تاثیر و تاثر جدا گانہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ صورت اور سیرت دونوں میں مماثلت و مشابہت بہت زیادہ۔ تاثیر اور نسانج خیزی میں بھی تو اردو تمثیل موجود رہتا ہے۔ اس لیے عموماً لوگ ان دونوں کو ایک ساتھ استعمال کر لیتے ہیں بلکہ اکثر حضرات تو ان دونوں کو متراوف خیال کرتے ہیں۔ ہم ان دونوں میں امتیاز قائم کرنے کے لیے ان کے اجزاء ترکیبی علاحدہ علاحدہ بیان کر دیتے ہیں اور اس امتیاز کی رو سے ہی سجاد مرزا کے کلام کو پرکھ لیتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں کی نوعیت اور ماہیت کی پختہ شناخت بھی قائم ہو جائے گی۔

مثلاً مزاج کے شخص میں تعمیری عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر کہیں طنز کی تلخی کا شاہراہ آ بھی جائے تو بہت ہلکا بلکہ زیر نقاب ہوتا ہے۔ مزاج تبسم آفریں بھی ہو سکتا ہے اور خنده دندال نما کا مصدر بھی بلکہ بعض اوقات تو قہقہہ طرازی بھی کرڈالتا ہے۔ مزاج میں دل آزاری اور نفرت کے اجزاء بالکل نہیں ہوتے۔ اس کے مزاج میں لطافت اور سرت آفرینی ہے۔ غم غلط کرتا ہے، غم انگیزی نہیں کرتا۔ دل اور دماغ کی خراشوں پر مر ہم کاری اس کا کام ہے۔ زندگی کی ہمہ وقتی تلخیوں اور ناگواریوں کو ایک لمحے کے لیے بھلا دیتا ہے۔ بھی مزاج الفاظ کے الٹ پھیر سے پیدا کیا جاتا

ہے اور کبھی غیر معمولی حرکات و سکنات سے۔ کبھی کسی کلام کی تحریف لفظی و معنوی سے۔ کبھی مزاج نگار دوسروں سے مذاق کرتا ہے۔ کبھی اپنی ذات ہی کو مزاج کا نشانہ بنالیتا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ کامیاب ترین مزاج اپنی ذات کو نشانہ بنانے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خود آزاری سجاد مرزانے بھی اپنے بہت سے اشعار میں استعمال کی ہے اور معاملہ بہت دل چسپ ہو گیا ہے۔ مزاج میں ہمیشہ خیرخواہی اور محبت کے جذبات کا فرمارہتے ہیں اور اس کی غم ربائی کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے ہی اس کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ”دیدہ بیباک“ میں بھی ہمیں ہر جگہ محبت، ہمدردی، خیرخواہی اور غم ربائی کے آثار نظر آتے ہیں۔

مزاج کے برخلاف طنز میں تخریجی عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً طنز عیب چینی کرتا ہے۔ نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ ہربات کاٹ دار ہوتی ہے ہر وار جگر خراش اور دل آزار ہوتا ہے۔ طنز کمزوریوں اور ناموادیوں کا بے رحم مذاق اڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ مزاج کی طرح طنز بھی الفاظ کے الٹ پھیر سے اور لفظی اور معنوی تحریف سے پیدا کیا جاتا ہے۔ فتح حرکات و سکنات طنز کا سبب بن جاتی ہیں۔ مزاج کی طرح طنز نگار اپنی ذات کو بھی نشانہ بناسکتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ لیکن خود کو نشانہ انتہائی مایوسی اور نامرادی کے عالم میں ہی بناتا ہے اور یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ”خود آزاری“ کے نفیاتی مریض ادیب و شاعر زیادہ تر خود کو نشانہ بنانے کا رکھش ہوتے ہیں۔ یہ ایک مستقل نفیاتی مرض ہے اور اسی وجہ سے اس کے شکار طنز سے کچھ اصلاحی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ عبرت پکڑتے ہیں، نہ اصلاح کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ طنز کو تحریف اور تغیری دونوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

طنز اگر بد فطرتی اور بد خواہی کی وجہ سے نہ ہو تو اصلاح احوال میں مزاج سے زیادہ تیز اور دیر پا اثر کرتی ہے، لیکن بد فطرت لوگ طنز کو ہمیشہ تخریب کاری کے لیے ہی استعمال کرتے ہیں۔ لوگوں کو نفرت کا نشانہ بناتے ہیں۔ انتقام کا ذریعہ بناتے ہیں۔ مایوسی پیدا کرتے ہیں۔ اپنی تنگ نظری اور کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن تغیری پسند ادیب و شاعر طنز سے بھی تغیری کام لیتے ہیں۔ طنز کا اثر گہرا اور تیز ہوتا ہے۔ بڑے بڑے کاموں کی تحریک اور تحریص کے لیے کاث دار طنز کو

ہی کام میں لانا پڑتا ہے۔ بس یوں خیال فرمائیں کہ نیت کا فرق ہو جاتا ہے۔ طنزگار کو اعلیٰ ظرفی، اصلاح پسندی اور خیرخواہی کے جذبات کو کام میں لانا پڑتا ہے اور پر خلوص طنز کو اظہار کی چاکب دستی کی وجہ سے مطعون شخص بھی خوب سمجھ جاتا ہے اور ناگواری محسوس نہیں کرتا بلکہ اگر خود بدفطرت اور تنگ نظر نہیں ہے تو طناز کا شکر گزار ہوتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ سجاد مرزا نہ "خود آزاری" کے نفیاتی مريض ہیں، نہ مردم آزاری کے اس لیے ان کی کتاب "دیدہ بیباک" میں طنز کے مظاہر بہت کم کم ہیں۔ بلکہ پھلے ہیں اور تعمیری و اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اب طنز و مزاح کی اصولی اور تجزیاتی بحث کے بعد یہ ضروری ہے کہ ان اجزاء ترکیبی کے حوالے سے سجاد مرزا کے کلام کو مختلف عنوانات کے تحت پر کھلایا جائے۔

سجاد مرزا جذبہ، تخلیل، احساس اور فن کے لحاظ سے بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ عشق و محبت ان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس کا ثبوت عملی طور پر دے چکے ہیں۔ اس لیے غزل کی مزاولت و ممارست اور مسلسل ریاض کی وجہ سے "تغزل" ان کی پوری شاعری کا غالب حصہ بن گیا ہے۔ غزل ہو یا نظم، حمد ہو یا نعت، قطعہ ہو یا ثلاٹی، پنجابی کلام ہو یا اردو، تغزل کا چوکھا رنگ ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ یہ ان کی شاعری کی اہم شناخت ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی غزلوں اور قطعات میں بھی آپ کو تغزل کی نظر افروزی اور دل نوازی ہر جگہ نظر آجائے گی۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ پہلے خالص تغزل ملاحظہ ہو۔ ایک مزاجیہ غزل میں سے اقتباس ہے اور غالب کی پہلی غزل کی تحریف بھی ہے:

یوں بگاڑا اس نے حلیہ یار کی تصویر کا
جس طرح نقشہ بدل ڈالا گیا کشمیر کا!
خطہ اسے لکھے، سپرد ڈاک بھی میں نے کیے
کیوں اثر ہوتا نہیں اس پر مری تحریر کا؟
رات بھر کھاتا رہے گا واعظِ گنبد شکم
اس کے آگے رکھ دیا ہے دیکچے ہی کھیر کا!

کاروبار زندگی کی بات بھی جس سے کریں
 لے کے شکوہ بیٹھ جاتا ہے وہی تقدیر کا
 ایک اور چھوٹی بحر کی غزل میں مزاحیہ تغزل کا لطف اٹھائیے۔ زبان و بیان، تلازمات اور
 دلالتوں میں تغزل کی نسود ہے:

کیا سیاست کا یہی معیار ہے
 جو بھی ہے وہ قوم کا غم خوار ہے
 جس کے منہ میں جو بھی آیا، کہہ دیا
 آج کل آزادی گفتار ہے!
 حسن آوارہ کی رنگت اُڑ گئی
 عشق کا مندا پڑا، بازار ہے
 مفت پینے کا عزمانہ لد گیا
 شیخ سے ساقی کی اب پیکار ہے
 کس طرح لکھے ”رپٹ“ تیرے خلاف
 تیرا عاشق ہے جو تحانیدار ہے!
 چھوڑ دے سجاد مرزا شاعری
 تیری ۰ بیگم کا یہی اصرار ہے

اب طنز یہ تغزل کی دو تین مثالیں پیش کر دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ مزاح یا طنز کا ہی
 تغزل نہیں ہے بلکہ یہاں سیاسی، اخلاقی اور ثقافتی اشارات بھی آگئے ہیں اور اشعار میں خوب
 صورت پہلوداری پیدا ہو گئی ہے۔ بعض اوقات ایک ہی شعر میں کئی رنگ جلوہ نما ہو جاتے ہیں:

ابھی ان سے لڑائی ہو رہی ہے
 کہا کس نے جدائی ہو رہی ہے
 کوئی بھی گھر نہیں محفوظ اس سے
 لگائی اور بجھائی ہو رہی ہے

میجا اس کا چارہ کیا کرے گا؟
 بڑی مہنگی دوائی ہو رہی ہے
 کہا میں نے کوئی تکلیف جانا؟
 کہا اس نے کہ ”بھائی“ ہو رہی ہے
 سیاست کی طوائف کو سجا کر
 دھڑلے سے کمائی ہو رہی ہے!
 جہنم میں لیے جاتے ہو سب کو
 یہ کیسی رہنمائی ہو رہی ہے؟
 ایکشن جیت کر سجاد مرزا
 ہماری شان ”ہائی“ ہو رہی ہے
 اب ذرا قطعات کا تعاقب کر لیتے ہیں۔ ان قطعات میں طنز اور مزاح کا خوب صورت
 امتزاج ہو گیا:-

ہمارے پاس بھی دو چار غزلوں کا اثاثہ ہے
 سنائیں گے ، ہمارے سامعین کالے ہوں یا گورے
 ہمارا بھی تعلق ہو اگر اخبار سے یارو!
 کبھی دوحا ، قطر ، مقط ، کبھی یورپ کے ہوں دورے
 ان قطعات میں ذرا تیکھے اور کاث دار طنز کے دار بھی دیکھ لیجیے مگر ایسی مثالیں ذرا کم ہی
 ہیں:

نگاہِ اہل بصیرت ہے کیا غصب ڈھاتی
 کہ جس پڑ گئی ، اس کو تباہ کرتی ہے
 ہمارے افسرِ خوش حال کی حسین یوں
 بصدِ خلوص سمجھی سے بنہ کرتی ہے!

کہیں مسلک پر رکڑا ہے، کہیں مذہب پر جھگڑا ہے
چلن سجاد بگڑا ہے ہمارے دور میں سب کا
چلاتے ہیں مساجد میں جو آ کر گولیاں اکثر
انہیں ڈر ہے خدائی کا، نہ ان کو خوف ہے رب کا

.....

سر پھٹول ہو رہی ہے مسجدوں میں آج کل
واعظِ شیریں بیان کے وعظ کا اعجاز دیکھ!
کہہ رہے ہیں ایک دوچے کو سبھی کافر یہاں
یہ اخوت کے سکھانے کا حسین انداز دیکھے

.....

بلندی پر خودی سجاد رکھی!
کسی دلدار کے پیچھے نہ بھاگے
ہمیں شہرت سے کچھ مطلب نہیں تھا
کسی اخبار کے پیچھے نہ بھاگے!

.....

کہیں کہیں سجاد مرزا نے ہم عصروں اور ہم شہروں پر شاعر انہ چوٹیں بھی کی ہیں لیکن ایسی
مثالیں شاذ ہیں مگر دل چسپ ہیں۔

ایسے جھوٹے لوگ جن کو جانتا کوئی نہیں
آپ کہتے ہیں انہیں اس شہر کی پہچان ہیں
مال دے کر دوسروں سے شعر لکھواتے ہیں جو
ایسے "حضرت،" بھی یہاں اب صاحبِ دیوان ہیں

چار دن کی زندگی میں چار غزیں کہہ سکے
 محفلوں میں اس بساطِ عجز سے لیتے ہیں کام
 یہ ہمارے شہر کے خود ساختہ استاد ہیں
 چھوٹے چھوٹے ان کے درشن بھاری بھاری ان کے نام
 سجاد مرزا نے عوامی ذوق کا خیال رکھتے ہوئے عوامی اشعار اور قطعات بھی پیش کئے ہیں
 لیکن حتی المقدور بھکڑو بازی سے دامن بچایا ہے یہ ان کی سلاست طبع کی دلیل کہی جاسکتی ہے۔
 رپٹ لکھوا میں بھی تو کس طرح ہم جا کے لکھوا میں
 کہ تھانے میں ہر اک بندہ ترا معلوم ہوتا ہے



نواسوں، پوتیوں کو اب سلا کر آ بھی جا جانا
 اندھیری رات کا دم ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے



کریں کیا ہم یقین، اس بے وفا کا؟
 ہمیں ڈیڈی سے پتواتی رہی ہے!
 ہمارا ساتھ کیا وہ دے سکے گی!
 اندھیرے سے جو گھبرا تی رہی ہے
 رقبوں کو بلا کر اپنے گھر میں
 ہمیں سجاد تڑپاتی رہی ہے!

.....

دالوں کے ریٹ بڑھ گئے، آٹے کے ریٹ بھی
 اب منہ چڑا رہی ہے یہ خالی پلیٹ بھی!
 کتنے دنوں سے کہہ رہا ہے مالکِ مکان
 سجاد! اب یہاں سے تو بستر لپیٹ بھی!
 ”ویدہ بیباک“ میں چند نظمیں اور فردیات بھی شامل ہیں۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہیں، زبان

دیان کے لحاظ سے بھی اور مزاجیہ نکتہ طرازیوں کے حوالے سے بھی۔ صرف ایک نظم ”دلاور جان“ کے چند اشعار پیش کر دیتا ہوں۔ اس سے آپ اس گلستان کی بہار کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی
مگر ہم سے خدا جانے وہ کیوں انجان رہتی تھی
وہاں خالہ بھی اس کی صورت شیطان رہتی تھی!
ملاقات اس سے ہر شب کس قدر آسان رہتی تھی
کبھی وہ ساز اور آواز کا جادو جگاتی تھی
کبھی وہ روٹھ جاتی تھی، کبھی وہ مان جاتی تھی
ہمارے قلب مضطرب پر کبھی بجلی گراتی تھی!
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی
آخر میں ”اور پھر بیاں اپنا“ کے زیر سایہ ”فریدیات“ کا رنگ بھی دیکھ لیجئے۔

مجھے ہر روز لا کر نان اور پائے کھلاتا تھا
”خدا بخش، بڑی ہی خوبیاں“ تھیں مرنے والے میں“

شیخ بولے دیکھ کر ”سن باتھ“ کرتی گوریاں
”آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق“

تو پکا کے کھیر جاناں! کیوں اکیلی کھا رہی ہے؟
”وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی“

مجموعی طور پر کتاب خاصی دلچسپ ہے۔ غم غلط کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ بات خاصی طویل ہو گئی۔ معدرت کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں۔

بقول نظیری نیشاپوری۔ ”لذیذ بود حکایت دراز تر گفتتم !!“

پروفیسر اسرار احمد سہاواری



جب ہوا میں ان کے گھر مہمان پہلی مرتبہ
dal کے پکنے لگے پکوان پہلی مرتبہ

کوئی ہم سے دل خریدے یا جگر، کھولیں گے ہم
اک سپئیر پارٹس کی دکان پہلی مرتبہ

تم نے مانگا ایک لہنگا اور ہم اُٹھا لائے کئی
ریشمی کپڑے کے مہنگے تھان پہلی مرتبہ

رات دن چکرائے رکھتی ہیں فلک کی گردشیں
جب سے کھایا ہم نے میٹھا پان پہلی مرتبہ

جان دی کوچے میں تیرے ، تو تماشائی بنا!
یوں ہوا ملنا ترا آسان پہلی مرتبہ

کڑ کڑاتا نوٹ سو کر لیا مٹھی میں بند
تب کھلا ہم سے ترا دربان پہلی مرتبہ

اپنی نادانی پہ ساری عمر پچھتاتی رہی
کہہ دیا تھا اس نے ”بھائی جان“ پہلی مرتبہ



ہاں اسے سمجھو کرامت دیدہ بے باک کی!
ہم نے اپنے عہد کے تن کی قبا جو چاک کی

کس لیے کہتے ہو تم، ہم لوگ دہشت گرد ہیں؟
کیا ڈرائی ہے تمہیں ہبیت ہماری دھاک کی

ایک اک قطرہ ہمارے خون کا ہے اس کے لیے
ہم قسم کھاتے ہیں اپنی سر زمین پاک کی!

ہر کوئی بندہ لگا ہو ٹانگ جس کی کھینچنے
حمرانی کی بھی اس نے تو بھلا کیا خاک کی

دل ہمارا بن گیا ہے درد کی آماج گاہ
اس لیے ہم نے ظرافت کی ادا پوشک کی!

”گرو پہ کشن روزِ اول“ پر عمل جس نے کیا
اس کی ہی بیوی چلے گی سیدھ میں پھرناک کی

اس کے لبھ میں بھری تھیں تلخیاں ہی تلخیاں
اس نے بھولے سے اگر سجادہم سے ”ٹاک“ کی

۲۱۲.....

ہم نے تیرا شباب دیکھا ہے
عاشقوں پر عذاب دیکھا ہے

سارے کھاتوں میں کتنی گڑ بڑھی
جب حساب و کتاب دیکھا ہے!

بوجھ لادے ہوئے چلے پچے
کیا انوکھا نصاب دیکھا ہے

عمر ہے سائٹھ عکی جواں ہے وہ
یہ کمالِ خضاب دیکھا ہے

کھا لیے مرغ دو تو چہرے پر
اک عجب پچ و تاب دیکھا ہے

پچ کہا جب بھی رو برو ان کے
خود کو زیرِ عتاب دیکھا ہے!

اپنی چھت پر نظر رہی سجاد
جب اُمّتا سحاب دیکھا ہے!

.....☆☆.....

111252

پڑھتے ہیں توجہ سے جو اخبار مسلسل
شمجھو کہ وہ بے چارے ہیں بیکار مسلسل

وہ عشق نبھانے کے بھی قابل نہیں رہتے
پھرتے ہیں مری جان ! جو بے کار مسلسل

جو نشے کے عادی ہیں، علاج ان کا یہی ہے
پڑتے رہیں جوتے انہیں دو چار مسلسل!

تعلیم سے جو بھاگے ہیں، افرادہ بنیں گے!
آتے ہیں نظر مجھ کو یہ آثار مسلسل

زنگیر غلامی ہے مقدر میں انہی کے
ہاتھوں میں جو رکھتے نہیں تکوار مسلسل

صحراء میں بدل جائے گی اک روز یہ بستی
کلتے ہی چلے جاتے ہیں اشجار مسلسل

یورپ کی جو خوش رنگ فضاوں میں مگن ہیں
سجاد انہیں ڈھونڈتے ہیں یار مسلسل

.....☆☆.....

بہت علم و ادب سے دوستوں کو پیار ہے ساقی
کہ ملکروں میں بٹا پھر آج کا اخبار ہے ساقی

پھرے ہے کار میں لیکن ”غریب شہر“ کہلانے
ہمارا یار شبرا تی جو“ کر خندار“ ہے ساقی

شرف انسانیت کا کوٹھیوں، کاروں سے کیا ہوگا
ہمارے دور کا لیکن یہی معیار ہے ساقی!

مریضوں کے بدن سے کھال بھی جو کھنچ لیتا تھا
سنا ہے آج کل وہ ڈاکٹر بیمار ہے ساقی

جسے اک شعر بھی کہنا نہیں آتا، اُسے دیکھو
ہمارے عہد کا وہ شاعرِ دمدار ہے ساقی

ہونے جو فیل انگریزی میں پڑھنے سے وہی بھاگے
یہی تعلیم کے رستے میں اک دیوار ہے ساقی!

دفاتر میں اگر اردو کو نافذ کر دیا جائے
تو پھر سجاد کی یہ افری بے کار ہے ساقی!

.....☆☆.....

اُسے لکھ کر بلانا پڑ گیا ہے
رقیبوں کا کلیجہ سڑ گیا ہے

کہا اس شوخ نے جس کو "برادر"
ندامت سے زمیں میں گڑ گیا ہے

رقیب رو سیہ لندن سدھارا
خدا کا شکر پتہ جھٹر گیا ہے!

چھ مصروع تھا کہ تھا کوئی بیڑا؟
چھی اُستاد سے جو لڑ گیا ہے!

جہاں سے بھاگنا چاہا تھا جلدی
سکوٹر کیوں وہیں پڑاڑ گیا ہے؟

مقدار میں نہیں تھا وصلِ جاناں
بہانہ نت نیا وہ گھٹر گیا ہے!

جسے سجاد حالِ دل سنایا
وہی دو چار ہم کو جڑ گیا ہے
.....☆☆.....

آج پنواڑی سے میٹھا پان کھانا چاہیے
اپنے ہوتوں کو ذرا سا سُرخوانا چاہیے

بات کرنے کے لیے کرتے نہیں ہم التجا!
ظیش کے عالم میں تم کو مسکرانا چاہیے

ایک شب میں آپ کو مشہور ہونا ہے اگر
بے سروپا اک ڈراما اور گانا چاہیے

مل ہی جائیں گے کئی حلقة بگوشی کے لیے
ان کی مخالف میں دمادم ، دم لگانا چاہیے

قرض کی اقساط شاید ہوں اسی صورت ادا
قوم کو یہ بوجھ نیکسوں کا اٹھانا چاہیے

آج مہنگائی نے سب کا کر دیا جینا حرام
تبر ہی میں اب شریفوں کو ٹھکانا چاہیے

دھو رہے ہیں بہتی گنگا میں سبھی سجاد ہاتھ
آپ کو بھی اپنی قسمت آزمانا چاہیے!

.....☆☆.....

شہرتِ عام لے کے پھرتے ہیں
سمیٰ ناکام لے کے پھرتے ہیں

کوئی پچانتا نہیں ان کو
جو ترا نام لے کے پھرتے ہیں

ایسے کچھ پختہ کار بھی ہیں ، جو
خواہشِ خام لے کے پھرتے ہیں

روشنی کے حریف ہیں کیا کیا!
ساتھِ جو شام لے کے پھرتے ہیں

ہم نہیں ”فٹ“ کسی کہانی میں
یارِ ازام لے کے پھرتے ہیں

چیز ہوتی ہے جو چھپانے کی
وہ سرِ عام لے کے پھرتے ہیں

ہم وہاں کس کی معرفت جائیں
جس کا پیغام لے کے پھرتے ہیں!

..... ☆☆

صورت کسی صورت وہ دکھائے اسے کہنا
پتوں کو مگر ساتھ نہ لائے اسے کہنا

سجاد کی باتوں میں نہ آئے اسے کہنا
کچھ حسن کا جادو بھی چلائے اسے کہنا!

خالی نہ ہمیں چائے پلائے اسے کہنا
چھے سات پرائٹھے بھی پکائے اسے کہنا

ہیں یاد ہمیں اس کے لڑکپن کے فسانے
ہم پر نہ یونہی رعب جمائے اسے کہنا

کچھ لوگ بنا دیتے ہیں باتوں کا بینکڑ
لوگوں سے ہر اک پات چھپائے اسے کہنا

گرپیٹ میں گڑ بڑ کوئی محسوس کرے ہے
دن رات وہ چراغ نہ اڑائے اسے کہنا

وہ شربت دیدار کے دو گھونٹ پلا دے
بیمار کو مرنے سے بچائے اسے کہنا!

یوں بگاڑا اُس نے حلیہ یار کی تصویر کا
جس طرح نقشہ بدل ڈالا گیا کشمیر کا!

خط اسے لکھے سپرِ ڈاک بھی میں نے کے
کیوں اثر ہوتا نہیں اس پر مری تحریر کا؟

لے اڑا اپنے مریدِ خاص کی چھوٹی بھو
کارنامہ دیکھے یجھے ایک ڈبے پیر کا!

رات بھر کھاتا رہے گا واعظِ گنبدِ شکم
اس کے آگے رکھ دیا ہے دیگچھے ہی کھیر کا

وصل سے انکار اس نے کر دیا ہے خواب میں
کاش ! ہو الٹا نتیجہ خواب کی تعبیر کا!

کاروبارِ زندگی کی بات جس سے بھی کریں
لے کے شکوہ بیٹھ جاتا ہے وہی تقدیر کا

جس نے کی سجادِ مرزا بات عقل و فکر کی
اس پر فتویٰ جڑ دیا ملاوں نے تکفیر کا!

.....☆☆.....

کہا ہم نے یہ مہنگائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب
کہا اس نے کہ ہاں بھائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

مٹن کے ریٹ پر دالیں خریدیں اور شرمائیں!
یہ روٹی دال ہر جائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

چلو اچھا ہوا تو نے جو رشتہ توڑ ہی ڈالا
ترے بیٹے کی کڑمائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

ولیے پر ہمیں چھے سات دیگوں کی ضرورت تھی
کہا نائی نے پکوائی؟ کہاں پہلے تھی جو ہے اب

ہوا پڑول جو مہنگا، سبھی چیزیں ہوئیں مہنگی
عجب آفت یہاں آئی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

وزیر حج کو تو حج کا سفر آسیاں بنانا تھا
قیامت اس نے جو ڈھائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

اسے سوچا کیے سجاد ہم بے کار میں بیٹھے!
ہمیں حاصل یہ تنہائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

.....☆☆.....

جہاں ہم کو دھواں اٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے
کسی مجنوں کا وہ تو مقبرہ معلوم ہوتا ہے

لگاتا ہوں ترے کوچے کے میں شام و سحر پھیرے
ترے یہ پیار بھی مجھ کو سزا معلوم ہوتا ہے!

اندھیری رات میں منہ کو اٹھا کر بھونکنے والا
ترے در پر مجھے دشمن کھڑا معلوم ہوتا ہے

بندھا ہے تیرے بازو پرنئے چڑے کا جو نکلا
خدا لگتی کہوں نقشِ دفا معلوم ہوتا ہے!

”جہاں پکڑی اچھلتی ہے، جسے مے خانہ کہتے ہیں“
وہاں واعظ بھی سجدے میں گرا معلوم ہوتا ہے

تمہارے پاس بیٹھا ہے رقیب رو سیہ ایسے
پتیلی کے قریں اُلٹا تو معلوم ہوتا ہے

جسے عورت سمجھتے ہیں بقولِ جعفری صاحب
”تپائی پر دھرا کچا گھڑا معلوم ہوتا ہے“

.....☆☆.....

میں پھر سے دل لگانا چاہتا ہوں
نیا اک زخم کھانا چاہتا ہوں

وہی ”انگل“ مجھے کہنے لگی ہے!
جسے ”وائف“ بنانا چاہتا ہوں

سینیں تو پیٹ میں سب کے پڑیں بل
غزل ایسی بنانا چاہتا ہوں

بہت دن رہ لیا ہے جھونپڑی میں
اب اچھا سا ٹھکانا چاہتا ہوں

رقب آتے نہ تھے جب تیرے گھر میں
میں وہ پہلا زمانہ چاہتا ہوں

ملے دادِ خن جس کو زیادہ
اسے نیچا دکھانا چاہتا ہوں!

سنے گا کون اب سجاد مرزا؟
پرانا گیت گانا چاہتا ہوں!

.....☆☆.....

ہر ہر قدم پہ سینکڑوں غم خوار گر پڑے
تیرا پتہ ہی پوچھ کر لاچار گر پڑے!

اُس نے کہا ہے رقص جو اپنا عدو کے نام
کتنے تماش بیس سر بازار گر پڑے!

کیسا ہجوم شوق تھا نعروں کی گونج میں؟
گولی چلی تو چوک میں دو چار گر پڑے

ئی وی پہ جب سے بارہ مسالے کی چاٹ ہے
اس وقت ہی سے دلیں کے اخبار گر پڑے!

ساقی نے میکدے کو جو بولی پہ رکھ دیا
سجدے میں آج شہر کے مے خوار گر پڑے

کس کس کے سر کو عشق کا تھا تپ چڑھا ہوا
اس کی گلی میں پہنچے تو بیمار گر پڑے!

سجاد آؤ ہم بھی انہیں دیکھتے چلیں
کچھ میں آج شیخ طرح دار گر پڑے!

.....☆☆.....

نہ یہ لڑکا ہے اے ساقی، نہ یہ خاتون ہے ساقی!
ہمارے دور کا۔ یہ دیکھ افلاطون ہے ساقی!

کرے جو عشق تو اس کو یہاں الو بناتے ہیں
محبت کی ولایت کا عجب قانون ہے ساقی!

تجھے پینے پلانے سے کوئی رغبت نہیں شاید
تری گردن پہ ہم پیاسوں کا کتنا خون ہے ساقی

ثقافت اور کلچر میں عمریں مغرب کی نقائی
یہ نسلِ نو کے حق میں قیمتی افیون ہے ساقی

تجھی سے مانگنے آتے ہیں روٹی اور کپڑا بھی
تجھے شاپد سمجھ رکھا ہے تو قارون ہے ساقی!

کرائے کا مکاں ہے اور بل دینے ہوئے مشکل
ہمارے گھر میں بھلی، گیس، ٹیلی فون ہے ساقی

دسمبر کے مزے سجاد مرزا لوٹ لیتے ہیں!
مگر کہنے کو یورپ میں ابھی تک جون ہے ساقی

.....☆☆.....

رقیب کس لیے ان کو اکڑ کے دیکھتے ہیں؟
چلو تو ان سے بھی ہم آج لڑ کے دیکھتے ہیں

انہیں لڑائی بھڑائی سے کچھ نہیں مطلب
یونہی وہ پیار سے دوچار جڑ کے دیکھتے ہیں

اس عمر میں بھی تو قائم شباب ہے ان کا
ہم ان کے فوٹو کو پھرول پکڑ کے دیکھتے ہیں

ہمیں وہ کس لیے پاگل بنائے کے بھول گئے؟
گلے انہی کے ہم آج پڑ کے دیکھتے ہیں!

وہ ہم کو یاد بھی کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟
ہم اپنے پیاروں سے اب کے بچھڑ کے دیکھتے ہیں

سنا ہے منفیاں مل جائیں دو تو جمع بنیں
”دنہیں نہیں“ جو کہیں ان سے لڑ کے دیکھتے ہیں!

سفرشوں ہی سے سجاد کام ہوویں ہیں
کسی وزیر سے ہم بھی چڑ کے دیکھتے ہیں!

.....☆☆.....

بہت مصروف ہوتے جا رہے ہو
یہ کس دنیا میں کھوتے جا رہے ہو

نہ مکھن ہاتھ آئے گا تمہارے
فقط پانی بلوتے جا رہے ہو

نتیجہ ہے نظر بازی کا شاید
مرے دل میں سوتے جا رہے ہو

رقبوں کو بلا کر اپنے گھر میں
بڑے مغدور ہوتے جا رہے ہو

خوشی کی راہ میں جانِ تنا!
غموں کے خار بوتے جا رہے ہو

کہا بیوی نے پچے بس کرو اب
مری کشی ڈبوتے جا رہے ہو!

یہ کیا انداز ہے سجادِ مرزا؟
کہ ہستے آئے روٹے جا رہے ہو!

.....☆☆.....

گفتگو ہوتی رہی کل شام ٹیلی فون پر
مل گیا تھا پھر کوئی گلفام ٹیلی فون پر

نامہ بر بے کار پھرتے ہیں ہمارے شہر میں
آرہا ہے نامہ و پیغام ٹیلی فون پر!

یورپی ملکوں میں جن کو مل گئی ہے شہریت
ماں کو وہ کہنے لگے ہیں ”مام“ ٹیلی فون پر

چار کالیں کیں تو أبو نے جھڑک کر یہ کہا
”بس کرو اب، بڑھ گئے ہیں دام ٹیلی فون پر“

چور تو گھر کا صفائیا کر گئے مدت ہوئی
نج رہا ہے آج بھی کہرام ٹیلی فون پر

تورا بورا کر دیا اک شخص نے جذبات کو
دے گیا کل شب مجھے دشnam ٹیلی فون پر

روٹھ کر سجاد وہ جب بھی گیا، دیکھا یہی
بن گئے بگڑے ہوئے سب کام ٹیلی فون پر

.....☆☆.....

اخبار میں اس شوخ کی تصویر تو دیکھو
کھولی ہے یہ کب پیر نے زنجیر تو دیکھو

آزادی نساں پڑھے ہے وہ مقالہ
ہر شخص کو تڑپائے ہے تحریر تو دیکھو!

کوٹھی کی طلب اور کوئی کار کا بھوکا
ہر شخص ہے اس شہر کا دلگیر تو دیکھو

جو ایم۔ اے ہے اس کو تو کلرکی نہیں ملتی
دس پاس ہیں افسر یہاں تقدیر تو دیکھو

شاعر نہ ادیب اور مورخ نہ صحافی!
ئی۔ وی پڑھے ہے اس شخص کی تشنیر تو دیکھو

اس دور کے تم چوٹی کے لیدر ہو یقیناً
کیا خوب بناتے ہیں یہ کف گیر تو دیکھو

ہر پیر و جواں کہتا ہے واللہ مکرر
سجاد کے اشعار کی تاثیر تو دیکھو

.....☆☆.....

ایک ہی رات وہ نہشہر جاتی
اپنی تقدیر بھی سنور جاتی

اپنے شوہر سے لڑ کے آئی تھی
کس لیے لوٹ کر وہ گھر جاتی؟

اس کو جانا ہی تھا تو جاتے ہوئے
میز پر اپنا فوٹو دھر جاتی!

اس کے اب انے وہ پٹائی کی
عشق کرتی نہیں تو مر جاتی

اپنی امی کی دھمکیوں سے وہ
ایسی دیسی نہ تھی کہ ڈر جاتی

اپنی حچت پر ہی آ کے دو لمحے
ییٹھے بولوں سے کان بھر جاتی

اُس کو وعدے کا پاس تھا بے حد
کیوں وہ سجاد پھر مکر جاتی؟

.....☆☆.....

کبھی نزدیک آ کر کب ہمیں اس نے پکارا
چھپا رکھا ہے اس کافر نے اپنا ہر نظارہ

ہم ایسے لوگ تخت اللفظ ہو کر جی رہے ہیں
کبھی لفظوں کے اوپر تھا ہمارا بھی اجارہ

ہماری دسترس سے اس نے خود کو دور رکھا
کیا ہے تیر تکے پر ہمیشہ ہی گزارہ!

لگائے اس کے کوچے کے ہزاروں ہم نے چکر
کبھی ڈالا نہیں اس بے وفا نے ہم کو چارہ

سنجل کر جائیئے گا نج بچا کر جائیئے گا!
گیا جو اس گلی میں پھر نہ وہ آیا دوبارہ

قبائے گل بھی تھی یا وہ محفل میں تھی بیٹھی؟
کچھ اس انداز سے ظالم نے تھا آنچل اتارا

کہو سجاد مرزا آج کل کس حال میں ہو؟
انھائے پھر رہے ہو اب بھی شکوؤں کا پٹارا

.....☆☆.....

کیا سیاست کا یہی معيار ہے؟
جو بھی ہے وہ قوم کا غم خوار ہے

دیکھیے جو صاحب دستار ہے!
شہر اُس کا حاشیہ بردار ہے

جس کے منہ میں جو بھی آیا کہہ دیا
آج کل آزادی گفتار ہے!

حسن آوارہ کی رنگت اُڑ گئی
عشق کا مندا پڑا بازار ہے!

ایک اک سرخی سے لگتا ہے یہی
خون میں تر آج کا اخبار ہے

سوچنے کی بات ہے اس دور میں
واعظِ شیریں سخن بے کار ہے!

چھوڑ دے سجاد مرزا شاعری
تیری بیگم کا یہی اصرار ہے!

.....☆☆.....

یہ کیسی سوگات اٹھائے پھرتے ہیں؟
لوگ عجب صدمات اٹھائے پھرتے ہیں!

اس دنیا کے میلے میں کچھ دنیا دار
اپنے خالی ہاتھ اٹھائے پھرتے ہیں!

ساون رُت کے آنے میں ہے دیر ابھی
لوگ مگر برسات اٹھائے پھرتے ہیں

ایسا ہو نقاد جو ان کو دیکھ سکے
ہم بھی تخلیقات اٹھائے پھرتے ہیں

میرے عہد کے کم ذاتوں کو دیکھو تو
جھوٹی بھی ذات اٹھائے پھرتے ہیں!

بے بنیاد سجا کے خبریں ماتھے پر
سارے اخبارات اٹھائے پھرتے ہیں

اپنے دکھ سجاد ہزاروں لوگ یہاں
مجوراً دن رات اٹھائے پھرتے ہیں!

.....☆☆.....

اب کے یار لوگوں کی اور ہی اڑائیں ہیں
تیر سے تھی ان کی آج بھی کمانیں ہیں!

اس گلی سے مت گزرو، اس گلی میں ہم نفسو!
خود فروش لوگوں کی ہر طرف دکانیں ہیں!

تم کہاں اکیلے ہی سر پٹکنے والے ہو؟
دشیتِ عشق کی یارو! ہم بھی خاک چھانیں ہیں!

سر کے بل وہ آئے گا، دل کے شہر میں اک دن
ہے کبھی یقین ہم کو اور کبھی گمانیں ہیں!

کس طرح گزاریں گے زندگی کے روز و شب؟
غم کا بوجھ بے بایاں اور نحیف جانیں ہیں

اس نے کر لیے کیسے ٹیپ، یہ تعجب ہے؟
درد سے بھرے نغے اور خوشی کی تانیں ہیں

کس طرح چلیں گے ہم سو جھتا نہیں کچھ بھی
اپنے راستے میں اب ہر طرف چٹانیں ہیں!

.....☆☆.....

فریاد ہر اک لمب پہ یہاں آئی بہت ہے!
لگتا ہے کہ اس دلیں میں مہنگائی بہت ہے

دامن میں چھپا لیتی ہے سب چور، لیٹرے
یہ رات کہ طجائی و ماوائی بہت ہے؟

کھڑکی سے اشارے جو کیا کرتی تھی اکثر
نزدیک جو آئی ہے تو شرمائی بہت ہے!

بیگم سے کہا میں نے کہ میرے بھی ہیں سرال
میکے میں اگر تیری پذیرائی بہت ہے!

تاروں کو گنا کرتے ہیں دشمن مرے جانا!
مجھ کو تو بُشپ ہجر میں نیند آئی بہت ہے

آجاؤ کسی روز لیے بچوں کی ”رجمنٹ“
مدت سے مرے ”کیمپ“ میں تہائی بہت ہے

ملتی نہیں سجاد کو انگور کی بیٹی!
اب ہار کے پینے لگا سردائی بہت ہے

.....☆☆.....

ابھی ان سے لڑائی ہو رہی ہے
کہا کس نے جدائی ہو رہی ہے

کہا میں نے کوئی تکلیف جانا؟
کہا اس نے کہ ”بھائی“ ہو رہی ہے

ہمیں بے بال و پرکر کے قفس میں
وہ کہتے ہیں رہائی ہو رہی ہے

مسیحا اس کا چارہ کیا کرے گا؟
بڑی مہنگی دوائی ہو رہی ہے

سیاست کی طوائف کو سجا کر
دھڑکے سے کمائی ہو رہی ہے!

جہنم میں لیے جاتے ہو سب کو
یہ کیسی رہنمائی ہو رہی ہے؟

ایکشن جیت کر سجاد مرزا
ہماری شان ”ہائی“ ہو رہی ہے

.....☆☆.....

کچھ لوگ فلک پر ہیں زمیں پر نہیں رہتے
یہ اہل سیاست ہیں کہیں پر نہیں رہتے

آجائے مرے بچوں کے ہاتھوں میں جو قتلی
صورت ہی بگڑ جائے، حسین پر نہیں رہتے

”بابو“ کی اگر مٹھی میں اک نوٹ دبا دو
دیکھا ہے کہ بل اس کی جبیں پر نہیں رہتے!

کیا ڈھونڈنے آئے ہیں محلے میں سپاہی؟
جو چور، جواری ہیں یہیں پر نہیں رہتے!

انکار نہ کر چاہئے کے دو گھونٹ پلا دے
ہم رند ہیں ایسے کہ ”نہیں“ پر نہیں رہتے

اڑ جاتے ہیں ہر روز مرے سارے کبوتر
کیا جانئے کیوں شاہنشیں پر نہیں رہتے

سجاد بناتے ہیں وہ ہر شام نئے دوست
یہ سچ ہے کہ وہ صرف تمہیں پر نہیں رہتے!

.....☆☆.....

گلوں میں تازگی آنے نہ دے گا
چمن آباد فرمانے نہ دے گا!

رویہ اس کا ہے بے اعتنائی
ہمیں وہ خود پہ اترانے نہ دے گا

تڑپتوں کو وہ تڑپاتا رہے گا
دلوں کا روگ وہ جانے نہ دے گا!

مسائل سے اگرچہ آگھی ہے!
مسائل حل وہ فرمانے نہ دے گا

اسے تنقید سے کچھ چڑھے ایسی
وہ اپنی بات دھرانے نہ دے گا

شکاری ہے پرانا گھاگ بھی ہے
نشانہ وہ خطأ جانے نہ دے گا

ترے اشعار ہیں سجادِ مبہم!
زبانوں پر انہیں لانے نہ دے گا
.....☆☆.....

آپ کا ہم حکم مانیں کس لیے؟
دھوپ کو گھڑی میں باندھیں کس لیے؟

جو لگاتا ہی رہے چرکے سدا
جان سے پیارا اس کو لکھیں کس لیے؟

شاعری ہے، کھیل بچوں کا نہیں
بے تکنی گرہیں لگائیں کس لیے؟

چند پیسوں کے علیے پرولیس میں
بھائیوں، بیٹوں کو بھیجیں کس لیے؟

سرد رُت کی یاد آئی دھوپ میں
آپ کا برتاو بھولیں کس لیے؟

تم اندر ہرے کے پچاری سر بہ سر
ہاتھ ہم، تم سے ملا میں کس لیے؟

آ کے ہم سجاد باتوں میں تری
عمر بھر کا روگ پالیں کس لیے؟

.....☆☆.....

چلو کہ پھر سے محبت کا روگ پاتے ہیں
جو دال "گل" نہیں پائی اسے بھی "گالتے" ہیں

وہ اپنی بزم سے ایسے ہمیں نکلتے ہیں
کہ سر پر آئی بلاؤں کو جیسے نالتے ہیں

بڑے شریف یہاں لوگ آئے بیٹھے ہیں!
درون میکدہ گپڑی کوئی اچھاتے ہیں

خیال آتا ہے، اس در پر دیکھ کر کتیا!
بڑا سا ہم بھی "گرے ہاؤند" کوئی پاتے ہیں

جو ان کے گھر میں محلے کی مرغیاں دیویں
نا ہے روز وہ اندھے وہی ابالتے ہیں!

جو منہ میں آتا ہے بکتے ہی وہ چلے جاویں
نہ رات دیکھتے ہیں اور نہ دن وہ بھالتے ہیں

وہ کہہ رہے ہیں کہ سجاد خط ملا ہی نہیں
ہم آپ جا کے خط ان کے گھر میں ڈالتے ہیں

.....☆☆.....

شاعری کے حصار میں رہنا
اک مسلسل بخار میں رہنا!

ہاں ترے انتظار میں رہنا
کب ہوا اختیار میں رہنا؟

شہرِ تہذیب میں مقید ہیں
ہم کو آیا نہ غار میں رہنا

اہلِ منصب! تمہیں مبارک ہو
ہر گھری اک شکار میں رہنا

جن کے گھر میں ہے بھوک کی دولت
ان کو آیا قرار میں رہنا!

گو ہیں بے کار پھر بھی ہم چاہیں
ایک لمبی سی کار میں رہنا!

کس لیے راس آ گیا سجادو؟
کسی کیفے یا ”باز“ میں رہنا!

.....☆☆.....

جو سگریٹ آخری تھا پی لیا ہے
پیا ہے زہر پھر بھی جی لیا ہے!

نہیں اُٹھتے قدم اب اس گلی سے
کچھ ایسا اس پری نے ”کیلیا“ ہے!

پھل جاتا ہے وہ ہر ایک قدم پر
”نگوڑا“ ہم نے جو ساتھی لیا ہے!

باند آتی ہے اس سے آلوؤں کی
جو ہم نے آج تازہ گھنی لیا ہے

بچا رکھا تھا ہم نے دودھ شب کو
تری بیلی نے آکر پی لیا ہے

پئے جاتا ہے وہ حقہ ”پشوری“
مرا دادا بڑا ”شیلیا“ ہے!

نہیں آئے گا وہ سجاد مرزا
وہ ظالم تو بڑا ”خزیلیا“ ہے!

.....☆☆.....

وہ آکر داستاں کوئی پرانی چھیڑ دیتی ہے
کبھی پتوں، نواسوں کی کہانی چھیڑ دیتی ہے

ہمیں وہ بات کرنے کا کبھی موقع نہیں دیتی!
ہماری بات بھی اپنی زبانی چھیڑ دیتی ہے

سنانا چاہتے ہیں جب کبھی ہم داستاں اپنی
وہ اپنی ہی کوئی مجز بیانی چھیڑ دیتی ہے

ہم اس کے گھر میں جانے کا کبھی جوتہ کرہ چھیڑیں
وہ ہنس کر قصہ نقلِ مکانی چھیڑ دیتی ہے

انہیں وہ گاڑ دیتی ہے حسین یادوں کی دلدل میں
جو بوڑھوں کو صدائے نوجوانی چھیڑ دیتی ہے!

پھر اس کے بعد سکھ کا سانس بھی لیتی نہیں پہنچم
جود میرے سے وہ کھانی جادو دانی چھیڑ دیتی ہے

عذابِ جاں بنی جاتی ہے اب سجادہ ہر خواہش
شبِ تہائی میں سوزِ نہانی چھیڑ دیتی ہے!

.....☆☆.....

یوں اب کے عید منائی ہے سجاد غمتوں کے ماروں نے!
رونے کی صدائیں خوب سنیں اس گمرا کے درودیواروں نے

روزے نہیں رکھے جس نے بھی، دوزخ میں وہ سیدھا جائے گا
لوگوں کو بہت ہی دھلایا جنت کے ٹھیکے داروں نے!

جو چیز خریدنے ہم جاویں، ریٹ اس کے سنیں تو ڈر جاویں
ہر چیز ہی مہنگی کر ڈالی، اس دلیں کے ساہو کاروں نے

بہونچال نے سب کچھ چھین لیا، زخموں کے سوا کچھ بھی نہ پچا!
زمیں میں گزارہ کرنا ہے، آفات زدہ بے چاروں نے

ہر روز اغوا یا قتل و زنا، ڈاکوں سے ڈرایا جاتا ہے
کیا اس کے سوا، ہم کو ہے دیا، ان بڑے بڑے اخباروں نے

یاں بھوکے نگے لوگوں کو، روٹی ہو میر مشکل سے
وال مال پہ دعوم مچائی تھی کچھ بے فکرے میخواروں نے

سرکوں پر پیدل چلتا ہے تو اپنے آپ کو رکھ چوکس
سب کاروں والے کہتے ہیں، ہے نگ کیا ”بے کاروں“ نے
.....☆☆.....

یہ سازھی باندھ کر رکھی ہوئی ہے؟
چھلی ساری کمر رکھی ہوئی ہے!

ہر اک تسلیم کی بنیاد ہم نے
نسائی حسن پر رکھی ہوئی ہے

زمانے کی روشن سے ہم نے بیوی
سراسر بے خبر رکھی ہوئی ہے!

مسافت چھوڑ دی، چھوڑی نہ ہم نے
جو خونے ہم سفر رکھی ہوئی ہے

کہا اس میم نے ”وان“ پرانی
مرے فادر کے گھر رکھی ہوئی ہے

وطن سے ڈور ہیں لیکن وطن کی
ہر اک تازہ خبر رکھی ہوئی ہے

نہ جانے کیوں مری شاخ تنا
خدا نے بے شر رکھی ہوئی ہے!

.....☆☆.....

عمرہ جو کرنے گھر سے عمر دین چل پڑے
بستی کے مرد و زن سمجھی لینے قدم بڑھے

ان کی گزارشوں کا نہ جب ہم پر اثر ہوا
کہنے لگے کہ آپ تو حکمنے سے ہیں گھڑے!

شاپنگ کے واسطے جو وہ نکلے ہمارے ساتھ
رستے میں کچھ رقیب بھی تھے سر کے بل کھڑے

دیتا ہے ساری بزم کو ہنس ہنس کے گالیاں
ظالم کے منہ سے بارہا یہ پھول بھی جھڑے!

تحوڑی سی پی کے شیخ جی نکلے جو شہر میں
کچھ لوگ احترام میں پیچھے ہی چل پڑے

لوگوں نے کیوں ہے مجھ کو تماشا بنا لیا؟
پھر انھائے پھرتے ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے

مشہور سارے شہر میں یے وہ ”بلیکیا!“
ایسے ”سیاہ کار“ سے سجاد کیا لڑے؟

.....☆☆.....

آپ کی باتوں میں ہے ناشر کچھ افون کی
کیوں بدلتی جائے ہے رنگت ہمارے خون کی؟

سردیت میں کس لیے باقی نہیں کوئی کشش
کر گئی غارت مزا، گرمی می اور جون کی!

آپ کا پیغام جو مجھ کو ادھورا ہے ملا
کچھ خرابی اس میں شامل ہے یقیناً فون کی

پڑھ کے پہلے تو مزا لیتا رہا، پھر یہ کہا
بے تکی سی سرخیاں ہیں آپ کے مضمون کی

علم و فن میں ہے مرے اُستاد سا کوئی بتا
اس نے تو کر دی نہے ایسی تیسی افلاطون کی؟

یوں ہوا محسوس شہر دلبراں کو دیکھ کر
باعثِ تشبیہ ہے صورت ہر اک خاتون کی

نام ہی انصاف کا اب رہ گیا ہے دوستو!
دھمیاں بکھری پڑی ہیں ہر طرف قانون کی

.....☆☆.....

کسی کروٹ نہیں ہے چین، ٹی دی آن ہیں سب کے
نہیں پروا، چلیں گانے اگر بارہ بجے شب کے!

چلی آؤ، اکیلا ہوں میں، کمرے میں اندھیرا ہے
تمہیں شاید نہیں معلوم، بچے سو گئے کب کے

جو کوئی مر گئی، اس کو سپرد خاک کیا کرنا
اسے بلی کو دے دیتے، کہاں آئے اسے دب کے

لنگوٹی میں یہ سب کے سب ادھر جو پھاگ کھیلیں ہیں
ہمارے دوست، جب نگے پھرا کرتے تھے، ہیں تب کے!

نہ کھاتے رات کو ”حبتِ ملتیں“ تو بچے رہتے
چلو، بیت الخلا بھاگو، مزے لوثو اسی حب کے

کہا میں نے کہ چھے بچے ہیں اب تو بس کرو صاحب!
کہا اس نے یہی فضل و کرم تو ہیں مرے رب کے

پڑے دو چار جب جوتے تو وہ روتا ہوا بولا
 بلاتا ہوں میں ماموں کو، اگر مارو گے تم اب کے

.....☆☆.....

جو ملتا ہے وہی فاقہ زدہ معلوم ہوتا ہے
یہاں ہر ہاتھ اب کاسہ نما معلوم ہوتا ہے

رپٹ لکھوائیں بھی تو کس طرح اب جا کے لکھوائیں
کہ تھانے میں ہر اک بندہ ترا معلوم ہوتا ہے

نواسوں، پوتیوں کو اب سلا کر آ بھی جا جاناں
اندھیری رات کا دم ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے!

حسینوں کی تو رانی ہے نہ میں ہوں خوب رو ایسا
مگر کیوں دربا اک دوسرا معلوم ہوتا ہے؟

ہر اک صنفِ سخن میں شاعری جو کرنہیں سکتا
مجھے تو تنگ اس کا قافیہ معلوم ہوتا ہے!

شرافت ہے یہی محفل سے، چپکے سے نکل جاؤں
وہ کافر تو رقیبوں میں گھرا معلوم ہوتا ہے

کھلا ہے بادبائ سجاد اور بادِ مخالف ہے
سفینہ زندگی کا ڈوبتا معلوم ہوتا ہے!

.....☆☆.....

دیکھا ہے گرم ہر طرف بازار جھوٹ کا
اک ایک فرد ہے یہاں شہر کار جھوٹ کا

بولا ہے اتنا جھوٹ، جوچ کے ہوا قریب
ہے پول کھولنا بہت دشوار جھوٹ کا

جس نے ہمیں فریب بھی دل کھول کر دیا
اس کے گلے میں ڈالیے اب ہار جھوٹ کا

کیسے بچیں گے، سوچئے سورج کے ہاتھ سے
لگتا ہے اب تو سایہ دیوار جھوٹ کا

خوبی کسی بھی پھول سے آتی نہیں، ہمیں
دیے تو ہے بہار پر گلزار جھوٹ کا!

اس نے کیا جو وعدہ تو وعدہ ہی وہ رہا
کچھ اور بھی حسیں ہوا کردار جھوٹ کا!

سجاد چ کی بات سناؤ گے تم کسے؟
ہر شخص کے ہے ہاتھ میں اخبار جھوٹ کا!

.....☆☆.....

کہیں الملاک کا جھگڑا، کہیں اولاد کا جھگڑا
محبے محسوس ہوتا ہے یہ سب اجداد کا جھگڑا

تمہارے ہر پہ آ کر خود کشی کر لوں گا میں اک دن
چکانا ہی پڑے گا اس دل نشاد کا جھگڑا

رقبوں کی شکایت پر ہیشہ کان ڈرتے ہو
نہ لے ڈوبے کہیں تم کو کسی فرہاد کا جھگڑا

اگر پڑھنے سے بچ جی چاتے ہیں تو یہ سمجھو
نہیں خوراک اب اچھی ہے سارا کھاد کا جھگڑا

تلر کتر در ہوتی ہے، دھریں کوں نام موجد کا
کہ دستیں رات بھر ٹوی کہیں ایجاد کا جھگڑا

ہمیں بمحاجاتہ اس ڈر سے جتاب شخ نے طوہ
 محلے میں نہ ہو جائے کہیں اُستاد کا جھگڑا

کوئی سوچی، کوئی نالی، کوئی سمجھڑا، کوئی درزی
یہ روٹی کے دلے ہیں، نہیں سجاد کا جھگڑا!!



یہ کیا تھوار ہے یا یا؟
خون میں تر اخبار ہے یا یا؟

ہم کو بیدل کھنچ رہا ہے
کار میں خود اسوار ہے یا یا؟

بلڈگ ساری ٹوٹ گئی ہے!
کیا مجھے دار ہے یا یا؟

جس کو موقع مل جاتا ہے
وہ اونچا ذکار ہے یا یا؟

خود عی چوری میں ہے ملوث
کیا پھرے دار ہے یا یا؟

متل کی تصویر کی صورت
شہر کا ہر بازار ہے یا یا؟

نفرت، بغض، کلدست سے پر
لوگوں کا کردار ہے یا یا؟



عجب یارو! زمانہ آگیا ہے
بشر کو ہنہنا نا آگیا ہے!

کچن کامنہ نہیں دیکھا تھا جس نے
اسے کھانا پکانا آگیا ہے!

بلا کر دشمنوں کو اپنے گھر میں
اسے الو بنانا آگیا ہے

سبھی راجہ اسے کہنے لگے ہیں
کوئی اندوں میں کانا آگیا ہے

سُنی ہیں جس نے یہ نمکین غز لیں
انے ہنسا ہنسانا آگیا ہے

سوالِ وصل پر بڑھیا کو دیکھو
ادا سے سر ہلانا آگیا ہے!

بہت خوش ہیں سبھی سجاد گونگے
انہیں بھی گیت گانا آگیا ہے

.....☆☆.....

جب آتا ہے، وہ اپنے ہی فسانے چھوڑ جاتا ہے
پھٹا رومال، دستانے پرانے چھوڑ جاتا ہے

کتابوں میں مکاتیبِ محبت، چپکے چپکے سے
ضروری کام کے کر کے بہانے چھوڑ جاتا ہے

کسی بھی شہر میں آرام سے رہنا نہیں آیا
وہ بیلی کی طرح جلدی ٹھکانے چھوڑ جاتا ہے

سرِ بازارِ پُتتا ہے حسینوں کے جو ہاتھوں سے!
تو پھر وہ عشقیہ گانے سنانے چھوڑ جاتا ہے

سمگنگ، چور بازاری سے، ناجائز ذرائع سے
کما کر آدمی کیسے خزانے چھوڑ جاتا ہے!

وہ مورکھ ہیرا پھیری سے گزر اوقات کرتا ہے
مسجد سے اگر جوتے چرانے چھوڑ جاتا ہے

جون لیے آٹھ دس غزلیں مروت ہی مروت میں
تو وہ سجاد سے ملنے ملانے چھوڑ جاتا ہے!

.....☆☆.....

عجب میری طبیعت ہو گئی ہے
کسی کافر سے اُلفت ہو گئی ہے

میں آیا رات کو جب لیٹ گھر میں
تو بیوی سے مرمت ہو گئی ہے!

سمجھتی ہی نہیں وہ بات میری
اسے مجھ سے خصوصت ہو گئی ہے!

لپ شیریں سے وہ دیتی ہے گالی
سر اپا وہ حلاوت ہو گئی ہے

نکل جاتی ہے منہ سے الٰہی سیدھی
بری کشی یہ عادت ہو گئی ہے!

بھٹکتے ہیں سدا سڑکوں پر شب کو
ہماری نیند غارت ہو گئی ہے!

اسے سجاد حالِ دل سنَا کر
مجھے کچھ کچھ ندامت ہو گئی ہے
.....☆☆.....

رقبوں سے ملاقاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں
ترے گھر میں خرافاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

اسے اس بات کا ہے علم، میں ہوں سوختہ سامان
مناتا ہے وہ شبراٹیں، مجھے اچھی نہیں لگتیں!

اگر کوئا اڑا کر لے گیا روٹی کا اک ٹکڑا
گلہری کی مناجاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

سننے کے لیے تو اور بھی ہیں سینکڑوں قصے
ترے ہونٹوں پہ صلواتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں!

تری فرمائش آخر کہاں تک میں کروں پوری
تری لاچ بھری باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

سبھی انسان جب پیدا ہوئے ہیں ایک ہی جیسے
قبيلے اور یہ ذاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

بنا چھت کے میں سردی اور گرمی کے مزے لوٹوں
مگر سجاد بر ساتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں!

.....☆☆.....

سنا ہے رات بھر گاتی رہی ہے
وہ لڑکی جو کہ شرماتی رہی ہے

کبھی بچوں، کبھی شوہر سے چھل میں
وہ خود کو یوں بھی بہلاتی رہی ہے

نہ ہوتی وہ کسی صورت بھی فربہ
ہمارا غم اگر کھاتی رہی ہے!

کریں کیا ہم یقین اسی بے وفا کا
ہمیں ڈیڈی سے پٹواتی رہی ہے

ہمارا ساتھ کیا وہ دے سکے گی!
اندھیرے سے جو گھبراتی رہی ہے

سُنے گر نام بھی حلوے کا واعظ
طبعت اس کی لمحاتی رہی ہے

رقیبوں کو پلا کر اپنے گھر میں
وہ کیوں سجاد تڑپاتی رہی ہے

.....☆☆.....

یوں لیا اس نے ہمارا نام پہلی مرتبہ
ہم پہ ہو جیسے کیا انعام پہلی مرتبہ

مشورہ دینے لگی وہ شاعری کے باب میں
مینڈ کی بی کو ہوا سرسام پہلی مرتبہ!

ہم کہاں پیتے پلاتے تھے مگر از راہ خیر
شیخ صاحب نے پلایا جام پہلی مرتبہ

جو دیارِ غیر میں پیے کمانے کو گیا
اس کو بھی کرنا پڑا ہر کام پہلی مرتبہ

لڑکھراتی، ڈگگاتی چال تھی مستانہ وار
پی کے جب داعظ چلا دو گام پہلی مرتبہ

کس قدر شیریں تھی وہ حسنِ ساعت کے لیے
اس کے ہونٹوں پر سمجھی دشنام پہلی مرتبہ

میزبانی کا مزہ سجاد وہ لیتا رہا
اس نے جب ہم کو کھلانے آم پہلی مرتبہ

.....☆☆

یہ کیا اندازِ دلداری نکالا
ترے وعدوں نے ہم کو مار ڈالا

تری امی تو شک میں بمتلا تھی
ہمارا نام کیوں تو نے اچھا ل؟

لگاتا ہوں ترے کوچے کے پھیرے
مجھے کیسی مصیبت میں ہے ڈالا؟

رقیبون سے نہ عرکھ کوئی تعلق
محبت میں نہ کر گڑ بڑ گھٹالا!

اٹھا کر لے گئی مرغی کا بچہ
جسے کہتے ہیں سب شیروں کی خالہ

ملا کر دودھ میں پانی پلانے
بہشتی ہے کہ ہے کوئی گوالا؟

سبھی سجاد مرزا کہہ رہے ہیں
تراء رنگِ ظرافت ہے نزالا؟

.....☆☆.....

جب کبھی آنکھوں ہی آنکھوں میں گذر جاتی ہے رات
صحیح تک پڑا ہمارا آہ ! کر جاتی ہے رات!

میکدے کا رات بھر کرتے رہے حضرت طوف
شیخ صاحب کو نچا کر اپنے گھر جاتی ہے رات

ایسی صورت میں کسی تنگے کا ملنا ہے محال
جب صفائیا چور کی داڑھی کا کر جاتی ہے رات

رو نے دھونے سے تعلق ہی نہیں اس کا رہا!
اس کی محفل میں سنا ہے اب سنور جاتی ہے رات

لڑکھراتے ہی رہیں گے عمر بھر اپنے قدم!
ہم کو دیوانہ بنا کر یہ کدھر جاتی ہے رات

سر خوشی کے چند لمحوں کے لیے تڑپا کروں
تیر بن کر میرے سینے میں اُتر جاتی ہے رات

وہ بڑی نیت سے ، گھر سے آج تک نکلا نہیں
کس لیے سجاد پر الزام دھر جاتی ہے رات

.....☆☆.....

بڑی تکرار بچے کر چکے ہیں
ہمارے دل لہو سے بھر چکے ہیں

بنے گا کون اس دل کا سہارا
ہم اپنا ہاتھ دل پر دھر چکے ہیں

ملکتی چال سے وہ آج نکلی
کئی بے موت اس پر مر چکے ہیں

کسی کو گھاس بھی اس نے نہ ڈالی
ہزاروں اس کا پانی بھر چکے ہیں

لیا کب کام لوگوں نے سمجھ سے
جو دافا اس نے ڈالا، چڑ چکے ہیں

ہمیں مطلوب تھا دیدارِ جاناں
ہر اک دیوار کو در کر چکے ہیں!

ہوا محسوس اکثر جیت پر بھی
کہ ہم سجاد بازی ہر چکے ہیں!
.....☆☆.....

جب تک اس کی بات کو ہم نے تکڑی میں نہ تولا
اس نے بھی توراز ”دلے“ کا ہم پر کب تھا کھولا!

کام تھا اس کا چھوٹا سا جو کروانا تھا جلدی!
افر بھی پھر نوٹ دیکھ کے منہ سے کچھ نہ بولا!

اس کے دشمن کو جو ”بولی“ ایک سال کی یارو!
بھری کچھری میں وہ گائے جگنی ، ماہیا ، ڈھولا

گھر میں جو مہمان ہے آیا، اس کی خدمت کریو
گھر والی سے کہتا پایا ، ہم نے چاچا دولا

بھینس کے آگے بین بجانا، اس پر صادق آئے
ستا کب ہے بات کسی کی جو کانوں سے ”بولا“

ایسا بھی تو ہو سکتا ہے، لوگ گلے پڑ جائیں
طنز کرو ہو لوگوں پر تو رکھو ہاتھ بھی ”ہولا“

ہاتھ میں ہو تکوار تو دنیا آ کر سیس نوائے
چی بات ہے ایک ہی مرزا، باقی سارا ”رولا“
.....☆☆.....

بے خبر، اس کی بات لمبی ہے
تجھ سے جو ایک ہاتھ لمبی ہے

اس کی زد سے بچا کمر اپنی!
ہاتھ چھوٹا ہے، لات لمبی ہے

اوپنجی ایڑی کا پہنے ہو جوتا
کیا شریک چیات لمبی ہے؟

غور سے دیکھو اُس کی بیماری
ماہر نفیات! لمبی ہے؟

اہل دل اپنی ذات میں محدود
حسن کی کائنات لمبی ہے

کیوں ابھی سے ہے نیند کا غلبہ؟
محفلِ لغویات لمبی ہے

کچھ نہ پائے گا لکھنے پڑھنے سے
منزل درسیات لمبی ہے!

.....☆☆.....

تم غریبوں کی بات کرتے ہو
کم نصیبوں کی بات کرتے ہو

حال جو پوچھنے نہیں آئے
ان جیبوں کی بات کرتے ہو؟

روز پڑتے ہیں ان کے کوچے میں
جن رقیبوں کی بات کرتے ہو

اپنی پہچان کھو چکے ہیں جو
ان ادیبوں کی بات کرتے ہو؟

یہ تو گفتار ہی کے غازی ہیں
جن خطیبوں کی بات کرتے ہو

آپ شامل ہیں جو مریضوں میں
ان طبیبوں کی بات کرتے ہو

تم بھی سجاد کتنے پاگل ہو
جو نصیبوں کی بات کرتے ہو

.....☆☆.....

کتابیں تری ، وہ رسالے ترے
کسے یاد ہیں اب حوالے ترے

لگالے کسی سے لگالے تو دل
سمجھی ہیں یہاں دیکھے بھالے ترے

جو آنکھوں میں ہر وقت چھتے رہیں
کوئی ہو ، یہ کائنے نکالے ترے

ہمیں ”نیٹ“ ملتا نہیں دودھ کیوں
ہیں بھینسیں تری اور گوالے ترے

شکایت تری کوئی کس سے کرے
ہیں تھانے ترے ، تھانے والے ترے

سنے جس نے ہنسنے ، اچھلنے لگا
کہا شعر ہیں یہ نزالے ترے

غگفتہ مزاجی سمجھی کو پسند
سنے کون سجاد نالے ترے

.....☆☆.....

کسی دن مارہی ڈالے گی اس لی چال مستانی
ہمیشہ جس کی آنکھوں میں رہی ہے ایک شیطانی!

وہ اپنے حسن کی دولت لٹانے تو نہیں نکلی!
سنا ہے شیخ صاحب نے نئی شادی کی ہے ٹھانی

پڑھی لکھی بہت تھی ”آئینڈیل“، ملتا نہ تھا جس کو
سنا ہے آج کل وہ ہے مرے بچوں کی اُستانی!

کہاں سے جانور لاتا، مری تو جیب خالی تھی
مجھے بکرا سمجھ کر کیجیے میری ہی قربانی!

شریف الدین جس گھر میں ”نوکھے ہار“ لاتا تھا
اسی گھر کی، سنا ہے، آج کل کرتا ہے دربانی

انہیں کالج سے فارغ کر دیا کس نے کہ یہ لڑکے
پھرا کرتے ہیں سڑکوں پر، کیا کرتے ہیں من مانی

بڑھاپے میں بھی گھروالی کا ہم تو حکم مانیں ہیں
پہن کر کوٹ مرزا جی، پڑی پتلون سلوانی

.....☆☆.....

دل سنجلتا نہیں کسی صورت
تس پہ دیوو ہو شاعری کی مار

دیکھ کبیرا روئے

پاکستان کی دولت لوٹ کے لمبی تان کے سوئے
 جو کم ذات تھے، کوٹھی، مل، پچارو والے ہوئے
 اہل وطن کی راہوں میں ہیں کس نے کانٹے بوئے؟
 چوپٹ راج کو دیکھ کے مرزا اور کبیرا روئے؟



روٹی کپڑا اور مکان کے وعدے جھوٹے نکلے
 اقتدار میں آنے والے سارے جھوٹے نکلے
 ہم کو وعدوں سے بہلانے والے جھوٹے نکلے
 مزدوروں نے جتنے دیکھے سپنے جھوٹے نکلے



لاکھوں اور کروڑوں کے وہ قرضے لیتے جائیں
 ملی بھگت سے معاف کرا کر ہر پل موج اڑائیں
 حق داروں کے حق پہ ڈاکا ڈال کے جشن منائیں
 مرزا اور کبیرا اپنے زخموں کو سہلائیں!



سوٹ پہن کر لج، ڈنزوہ مٹک کر کھائیں
 لاث صاحب کے بھالے، بھائی یا بیٹے کھلائیں!
 انگریزی میں لقمه توڑیں، سب پر رعب جھائیں
 مرزا اور کبیرا ان کے جھل پہ اشک بھائیں!



علم أدب کی راہوں میں بھی یہ روڑے انگائیں
 آئے دن وہ ڈاک ٹکٹ کے رہت بڑھاتے جائیں
 کیسے اخبارات، رسائل مرزا جی تک آئیں؟
 کیسے ہم کتابیں دوچے دیسیوں میں بھجوائیں؟



مہنگائی کی دیوی سب کو تنگی ناج نچائے
 تھوڑ کمائی والا، کیسے گھر کا خرچ چلائے؟
 رشوٹ خوری، ڈاکا، چوری فیشن اب کھلائے
 ایسے پاپی لوگوں کو سجاد کوئی سمجھائے!

.....☆☆.....

یورپ کے رنگ

روپ سروپ انوکھے دیکھوں، دور کھڑا للاچاؤں
کیسے کیسے سندر مکھڑے دیکھے دیکھے رہ جاؤں!

یورپ کے ہیں رنگ نزالے، کیسے میں سمجھاؤں؟
لفظوں کی تصویریں کھینچوں، لوگوں کو دکھلاؤں

بھوکی آنکھوں سے وہ دیکھیں، سامنے جب میں آؤں
بانگی، تیکھی ناریں دیکھوں، گیت خوشی کے گاؤں

یورپ میں لگتا ہے جیسے آ کے میں پچھتاوں!
جانے کیسے کیسے دھوکے شام سوریے کھاؤں؟

جی چاہے ہے میرا، اپنے دلیں پلٹ ہی جاؤں
غیروں میں ان جانے پن میں، دل کو روگ لگاؤں!

روکھی سوکھی بہتر ہے کہ اپنے گھر کی کھاؤں
جائے اپنے دلیں میں، یورپ لوٹ کے پھرنہ آؤں

قدم قدم پر روز تماشے دیکھوں اور شرماؤں
کیا دیکھا یورپ میں آ کر، کیا سجاد بتاؤں!



دلاور جان

(آخر شیر اُنی کی روح سے معدودت کے ساتھ)

اسی گنگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!
 کہ جس کی مال داروں سے سدا پہچان رہتی تھی
 مگر ہم سے، خدا جانے، وہ کیوں انجان رہتی تھی
 دلاور جان ہم کو دیکھ کر حیران رہتی تھی!

وہاں خالہ بھی اس کی صورت شیطان رہتی تھی
 اسی گنگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

وہ کھا کر پان جب حقے پشوری کے مزے لوٹے
 نہ پھر دل سے برآمانے، نہ پھر ہم سے کبھی روٹھے
 وہ اپنے چاہنے والوں سے کہتی تھی ”چلو جھوٹے“
 وہ اک گلشن کی صورت تھی، کھلے تھے ہر طرف بوٹے

ملاقات اس سے ہر شب کس قدر آسان رہتی تھی
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!

کبھی وہ ساز اور آواز کا جادو جگاتی تھی
کبھی وہ روٹھ جاتی تھی، کبھی وہ مان جاتی تھی
لہک کر جب کبھی وہ گیت کا مکھڑا اٹھاتی تھی
ہمارے قلبِ مضطرب پر کوئی بجلی گراتی تھی!

کسی ملکہ کی صورت وہ بصد سامان رہتی تھی!
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

سمجھتا تھا اسے اپنا جو اس کے پاس آتا تھا!
جو اس کوٹھے پر آتا تھا، پلٹ کر وہ نہ جاتا تھا
وہ اب قسمت پر روتا ہے، کبھی جو مسکرا تھا
لٹا کر مال وہ اپنا، وہاں طبلہ بجا تا تھا!

اسی کی کوٹھی کی مالک ہے، جہاں مہماں رہتی تھی
اسی گنگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

کوئی اس کی محبت کا بھرے جودم بھرے کیوں کر
رینیس شہر وال لٹتے ہوئے دیکھئے کئی اکثر
اجاڑے ہیں دلاور جان نے آ کر بہت سے گھر
اسی کافر ادا کا ایک اک دل میں بسا ہے ڈر

کسے لوٹے، اسی اک فلکر میں غلطان رہتی تھی
اسی گنگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!

.....☆☆.....

عید پر

خوب اس آتش بدن نے پہنا گھکھرا عید پر
دے گئی ہنس ہنس کے وہ تو ہم کو رگڑا عید پر

ہم تو دو اک بوٹیوں عنی پر قناعت کر گئے!
کھا گیا واعظ اکیلا ایک بکرا عید پر

مجھ کو لینے، کارنے لے کر آئیو سرال میں
لے گیا، بیوی کو لینے وہ تو چھکڑا عید پر

ہو گئی گھر میں اچانک کیسے اس کے ریل پیل؟
مار بیٹھا ہے کہیں وہ ہاتھ تگڑا عید پر

جائے، گھر جائے، ہم کو بھی جانے دیجئے
کیوں میاں! کرتے ہو ہم سے آپ جھگڑا عید پر

یوں بھی ”عیدی“ کے لیے اپنی ”پلس“ بدنام ہے
اک میاں بیوی کو گھر سے جا کے پکڑا عید پر

سوچ کے پاؤں میں رسی باندھ اور خاموش رہ
کر رہا ہے کس لیے سجاد لفڑا عید پر



جانِ محفل

انوکھی تھی ادا اس کی، سرورِ شام رکھتی تھی
ہمیشہ اپنے ہونٹوں پر حسیں دشام رکھتی تھی

جو اس سے ملنے آتا تھا، اسی کا ہو کے رہتا تھا
کہ گھر آیا ہوا مہمان زیرِ دام رکھتی تھی!

چلے آتے تھے آنکھیں سینکنے واعظ، کئی زاہد
وہ اپنی بزم میں کیا کیا حسیں گلفام رکھتی تھی

نہ شہرت سے غرض اس کو، نہ دولت سے علاقہ تھا
مہذب تھی بہت ہی اور اوپنجا نام رکھتی تھی!

سنا ہے، وہ بڑی شاطر تھی، بازی اس سے جو کھلیے
وہ اس ”ماہر کھلاڑی“ کے لیے انعام رکھتی تھی!

نہ کرتی تھی کسی کے کام میں وہ دخل اندازی!
سنا ہے، وہ تو اپنے کام سے بس کام رکھتی تھی

وہ جس کو دیکھ لیتی تھی، نشے میں ڈگ گاتا تھا
حسین آنکھوں میں گویا وہ چھلکتا جام رکھتی تھی!

”وہاں تھے اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے“
سمجھی کہتے تھے اس کو ”جانِ محفل“ دیکھنے والے

.....☆☆.....

خورشید

”انکل انکل“ سب کو کہنا، اس کا عجب و طیرا تھا
ماں تھی اس کی گونگی بہری، بھائی اس کا ”میرا“ تھا

”فارن“ شادی کرنے کا عوہ ہر پل سوچا کرتی تھی
ایسا شوہر ملیا جو کہ ”منکر اور نکیرا“ تھا!

دو ہی سال میں ہو کے مطلقہ آگئی اپنی ماں کے پاس
پھر اک بڑھیا کی خدمت کی، جس کا بیٹا ہیرا تھا!

یہ شادی بھی راس نہ آئی، قسمت ماری لڑکی کو
پھر اک بوڑھاتا کا اس نے جس کا نام فقیرا تھا

بھیک مانگنا اس کا پیشہ، لوگوں میں مشہور تھا وہ
ایک ہاتھ میں کاسہ اس کے دو جے ہاتھ میں کھیرا تھا

جتنے یار فقیرے کے تھے، سب افیونی، چرسی تھے!
ایک ہی بندہ نیک تھا ان میں یعنی چاچا جیرا تھا

ایسی "حور شماںل" بیوی، ہائے اس کی قسمت میں!
بھیک کی مایا پاس تھی جس کے، بوڑھا "گوند کیترا" تھا



بیوی

شکل سے پہلوان لگتی ہے
ہاتھ چھٹ، بد زبان لگتی ہے

عمر ہے ساٹھ کے قریب اس کی
آج بھی وہ جوان لگتی ہے!

اس کے آگے، مجھے ہر اک عورت
کس قدر دھان پان لگتی ہے!

میری کشتی کی نا خدا ہے وہ
قہر کا بادبان لگتی ہے

سامنے اس کے میں زیادہ
وہ مجھے آسمان لگتی ہے!

مجھ کو پاگل بنائے دیتی ہے
جب کبھی مہربان لگتی ہے!

گھر میں جب بھی کبھی اندر ہو
وہ تو دینے اذان لگتی ہے!

میں وفا کا یقین دلاتا ہوں
وہ مگر بد گمان لگتی ہے

کیسی بیوی مجھے ملی سجاد؟
زندگی امتحان لگتی ہے!

.....☆☆.....

ملنگا

اپنا یار ملنگا تھا

عادت کا وہ چنگا تھا!

شاعر تھا وہ نمبر ”ون“

شعر مگر دو رنگا تھا

کھاتا تھا وہ پان بہت

بول اس کا بے ڈھنگا تھا

چہرہ تھا مسکین بڑا

لیتا سب سے پنگا تھا!

وہ تیمور تو بن نہ سکا
جبکہ مانگ سے لنگا تھا

سر پر بال تھے گنتی کے
جن پر کرتا کنگھا تھا!

اس کی سوچ کے دھارے میں
راوی ، رائی ، گنگا تھا!

میں نے گپڑی نذر کری
اس نے جوتا منگا تھا

اس دن وہ بھی ”پار“ ہوا
جس دن شہر میں دنگا تھا

.....☆☆.....

دوارے

ہمارے پاس بھی دو چار غزلوں کا ااثاثہ ہے
سنا نہیں گے، ہمارے سامعین کالے ہوں یا گورے
ہمارا بھی تعلق ہو اگر اخبار سے یارو!
کبھی دoha، قطر، مسقط کبھی پورپ کے ہوں دوارے

.....☆☆.....

فضلِ ربی

دو عدد بیوی کے جب سے سیٹھ شوہر ہو گئے
ایک دو بچے کہاں؟ درجن سے اوپر ہو گئے!
ہے جوال اولاد گھر میں اور خدا کے فضل سے
اک پچارو، دو کرولا، چھھے سکوڑ ہو گئے!

.....☆☆.....

معیار

واعظ نے پی شراب تو لوگوں نے یہ کہا
 لو آج وہ بھی صاحب ایمان ہو گیا
 جس کو تمیز خچر و گھوڑا نہ تھی کوئی
 وہ بھی ہمارے عہد کا سلطان ہو گیا!

.....☆☆.....

خوف

کس طرح ہم پچ سکیں گے اس کی ٹیڑھی آنکھ سے
 رُخ ہمارے دل کی جانب ہے کلاشکوف کا!
 روکتا کوئی نہیں اور بولتا کوئی نہیں
 ہر زبان پر جس طرح تالا پڑا ہو خوف کا

.....☆☆.....

سنہری موقع

رقیبوں کو میں ان کی کوٹھیوں میں جھانک آتا ہوں
 کہ اس گرمی میں ہر گز وہ نہ اپنے گھر سے نکلیں گے
 اٹھاؤ فائدہ سجاد مرزا بے دھڑک ہو کر
 تمہیں ”وہ“ دو پھر میں دیکھ کر تھوڑا سا پکھلیں گے

.....☆☆.....

راجہ اندر

شفا خانے کے بستر پر جناب شیخ کو دیکھو!
 حسین و دل کش و دلدار نرسوں کے ہیں گھیرے میں
 کسی سولہ برس کی حور سے خواہش ہے شادی کی
 یہ حضرت ہیں اگر چہ سائٹھ یا پئیٹھ کے پھیرے میں!

.....☆☆.....

ہضم کر سکتا نہیں

اس قدر وہ پیٹ کا ہلکا ہے یا رب! کیا کریں
وہ تو میٹھی کھیر تک بھی ہضم کر سکتا نہیں!
اس کی قابو میں نہیں رہتی زبان بد لگام
غیر کی تحریر تک بھی ہضم کر سکتا نہیں!

.....☆☆.....

خرید لیتے ہیں

مال و زر جن کے پاس ہوتا ہے
مفلسی بھی خرید لیتے ہیں!
ہم نے دیکھے ہیں ایسے تشاعر
شاعری بھی خرید لیتے ہیں!

.....☆☆.....

پہچان

ایسے جھوٹے لوگ جن کو جانتا کوئی نہیں
آپ کہتے ہیں انہیں ، اس شہر کی پہچان ہیں!
مال دے کر دوسروں سے شعر لکھواتے ہیں جو
ایسے ”حضرت“ بھی یہاں اب صاحبِ دیوان ہیں

.....☆☆.....

أُستاد شاعر

چار دن کی زندگی میں چار غزلیں کہہ سکے
محفلوں میں اس بساطِ عجز سے لیتے ہیں کام!
یہ ہمارے شہر کے خود ساختہ اُستاد ہیں
چھوٹے چھوٹے ان کے درشن، بھاری بھاری ان کے نام

.....☆☆.....

ظلم رانی

بڑھ گئی حد سے زیادہ ظلم رانی کیا کہیں
 کون اب ہم پر کرے گا مہربانی کیا کہیں!
 آج کی مہنگائی میں کیا خود کشی جائز ہوئی
 سر سے اونچا ہو گیا سجاد ، پانی کیا کہیں!

.....☆☆.....

سبب دیکھر

اخبار میں ہر روز پڑھیں قتل کی خبریں
 ان دل کے مرضیوں کی طبیعت بھی عجب ہے
 پوچھیں ہم ان سے تو وہ شوخی سے کہیں گے
 اس دل کے مرض کا تو کوئی اور سبب ہے!

.....☆☆.....

عہدِ ماضی

ہمیں بیتے ہوئے کیا کیا فسانے یاد آتے ہیں
 بڑھاپے میں جوانی کے زمانے یاد آتے ہیں!
 کبھی مرغا بنتے اسٹاڈ جی سے مارکھاتے تھے
 بہم مل کر وہ رونے اور گانے یاد آتے ہیں

.....☆☆.....

سلسلہ

رہی سہی بھی کسر آج ہو گئی پوری
 کہ اس نے ہم کو بھری بزم سے نکالا ہے
 وہ کہہ رہی تھی یہاں غیر لوگ بیٹھے ہیں
 ملو اکیلے میں ، یہ سلسلہ نزاں ہے

.....☆☆.....

انتظار

نظر بچا کے جو پہنچا میں اس کے کوٹھے پر
وہ جان بزم ، بناو سنگھار کرتی تھی!
گلی میں بھیر کہ مخلوق تشنہ دیداراں!
نہ جانے کب سے کھڑی انتظار کرتی تھی؟

.....☆☆.....

بے بسی

کسی زلفِ معطر کی مہک آئے تو کیوں آئے
کوئی ”نیلم پری“، جب اپنے قابو میں نہیں آئی
کسی ہمسائی سے آنکھیں لڑانے کی جو کی ہمت
وہ سب کے سامنے ، کہنے لگی سجاد کو ”بھائی“

.....☆☆.....

شادباد

سکھ والے ہی اپنے گھر میں گھر داما درکھتے ہیں
وہ بیٹی، اس کا شوہر قید میں آزاد رکھتے ہیں
لڑیں، جھگڑیں میاں بیوی تو خوش ہوتے ہیں گھر والے
چمن ان کی محبت کا بسدا آباد رکھتے ہیں!

.....☆☆.....

صورت حال

نہ جانے عید پر کیون خونے قربانی نہیں جاتی
کہ دنیا دار ہیں پھر بھی مسلمانی نہیں جاتی!
گزاری زندگی ہم نے اسی چکی کے پاؤں میں
”کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی“

.....☆☆.....

کامرانی

دولتِ ملک ، دولتِ غیرال
 ایک اک شے سمیٹ رکھی ہے!
 کیا کہیں ، اس کی فتح کا عالم
 اس نے قسمت "گریٹ" رکھی ہے!

.....☆☆.....

احوالِ واقعی

کیا وسائل میں ہے کمی یارو!
 ایک اک فرد ہے "گریٹ" یہاں
 اس سیاست کا ہو برا صاحب!
 جو بھی ہو کام ، ہو وہ لیٹ یہاں

.....☆☆.....

نخرے دار

ہمارے سامنے ہے سات بچوں کی حسین ممی
ٹماڑ کی طرح جس کے لب و رخسار دیکھے ہیں
میاں کا منہ ہی دانتوں سے، سر بالوں سے خالی ہے
مگر اس عمر میں بھی دونوں ”نخرے دار“ دیکھے ہیں



طوفان

ملنے کے ہمارے ابھی امکان بہت ہیں
کیا کیجیے، پیچھے پڑے شیطان بہت ہیں
تم بھیں کو لے آئی ہو ”چھپڑ“ میں نہانے
اس شہر میں اُٹھے ہوئے طوفان بہت ہیں!



اہل بصیرت

نگاہِ اہل بصیرت ہے کیا غصبِ ڈھاتی
 کہ جس پہ پڑ گئی ، اس کو تباہ کرتی ہے!
 ہمارے افسرِ خوش حال کی حسینیں بیوی
 بصدِ خلوص سمجھی سے نباہ کرتی ہے!

.....☆☆.....

توبڑت راڑیاں

کس نے اگائی ہیں ترے رستے میں جھاڑیاں
 ہم سے کرے ہے مفت میں توبڑت راڑیاں
 بیٹھے مسافروں کے بھیں میں ہیں کہ کچھ ”ڈکیٹ“
 ہر اک قدم پہ آج کل لٹتی ہیں گاڑیاں

.....☆☆.....

چلن

کہیں مسلک پر گڑا ہے، کہیں مذہب پر جھگڑا ہے
 چلن سجاد بگڑا ہے ہمارے دور میں سب کا!
 چلاتے ہیں مساجد میں جو آ کر گولیاں اکثر
 انہیں ڈر ہے خدائی کا نہ ان کو خوف ہے رب کا!



تضاد

زاہد! خدا کا خوف بھی آخر ہے کوئی چیز
 دل سے، دماغ سے ذرا نفرت کی بو نکال!
 یا ہم کو دے نکال کے جھرے سے ڈھٹ رز
 یا ہم کو ٹالنے کی کوئی گفتگو نکال!



ایڈ ہاک پر

چل رہا ہے کام سارا آج کل ایڈ ہاک پر
 ہے ان آنکھوں کا اشارہ آج کل ایڈ ہاک پر
 چانے، پانی کے لیے پوچھا نہیں سجاد نے!
 کر رہا ہے وہ گزارا آج کل ایڈ ہاک پر

.....☆☆.....

موقع شناس

اک پری وش کو جودیکھا ساتھ میرے ایک دن
 میری بیگم مجھ سے لڑنے کے لیے تیار تھی!
 بولی، ”بھیا! یہ حسین بیوی کہاں سے ماری؟“
 سوچتا ہوں، وہ پری وش کس قدر ہشیار تھی!

.....☆☆.....

باتیں

دل چسپ بتاتا رہا قانون کی باتیں
 جیسے کسی ناکندا خاتون کی باتیں
 نظریں تھیں پھٹی دھوتی پہ سجاد ہماری
 وہ ہم کو سناتا رہا پتوں کی باتیں!

.....☆☆.....

ہم نوا

اک گنج کے آنے سے کئی گنج ملے ہیں
 مانگا ہے اگر ایک ، مجھے ”چخ“ ملے ہیں
 اپنوں سے شکایت کا یہ موقع نہیں سجاد
 اب غیر سمجھی اپنے نوا سخ ملے ہیں!

.....☆☆.....

شکاری

بگئے بھگت بنے ہوئے بیٹھے ہیں چوک میں!
 ”لائسنس“ ان کے پاس ہے ہر وقت کھاننا
 جو بھی وہاں سے گز دے، اسے گھورتے رہیں
 ان کا کسب ہے روز اک ”مرغی“ کو پھانسنا!

.....☆☆.....

ہذا ظلم عظیم

ہوٹل میں چائے کے لیے ہم بیٹھ تو گئے
 ہوٹل یہ عام کا نہ تھا، ہوٹل تھا خواص کا!
 ”نیرنگی“ سیاست دوران تو دیکھیے،
 چائے کا ایک کپ پیا ہم نے پچاس کا!

.....☆☆.....

جیون ساتھی

جو بھی ملتا ہے یہی کہتا ہے شادی کر لو
 یوں اکیلے تو گزارہ نہیں ہو سکتا ہے
 بات ہی اور ہے جو ساتھ ہو جیون ساتھی
 ہوش آجائے گا یا ہوش بھی کھو سکتا ہے!

.....☆☆.....

اٹھائی گیر

ہمارے دور کے انسان بڑے دل گیر رہتے ہیں
 بہت خاموش ہیں اور صورتِ تصویر رہتے ہیں!
 چدا کر لے گئے کل شب وہ پرناہ بھی ”ٹٹی“ کا!
 مرے چاروں طرف کیسے اٹھائی گیر رہتے ہیں

.....☆☆.....

خس کم جہاں پاک

ہے خدا کا شکر، گھر وہ چھوڑ ہمسائی گئی
 نت نئی ہم سے قسم ہر روز اٹھوانی گئی!
 بالیاں چوری ہوئیں، وہ سب پہ شک کرنے لگی
 چور جو اصلی تھا، اپنی ہی بہن پانی گئی!

.....☆☆.....

وارنگ

دالوں کے ریٹ بڑھ گئے، آٹے کے ریٹ بھی
 اب منه چڑا رہی ہے یہ خالی پلیٹ بھی!
 کتنے دنوں سے کہہ رہا ہے مالکِ مکان!
 سجاد اب یہاں سے تو بستر لپیٹ بھی!

.....☆☆.....

معلوم ہوتی ہے

تمہارے شہر کا اب کے عجائب ماحول دیکھا ہے
 کہ جنت میں جہنم کی فضا معلوم ہوتی ہے!
 مجھے تو نیند بھی آتی نہیں سجاد راتوں کو
 مری کھانی بڑھاپے کی صدا معلوم ہوتی ہے



کاغذی پیر ہن

ہے بڑا کڑوا رویہ اس بیت بے پیر کا!
 توڑتا ہے ہر گھری دل ، عاشقِ دل گیر کا
 آہی جائیں گے نظر برسات میں سارے نقوش
 ”کاغذی ہے پیر ہن ہر پیکرِ تصویر کا“



اندازِ زیاں

سر پھٹول ہو رہی ہے مسجدوں میں آج کل
 واعظِ شیریں بیاں کے وعظ کا اعجاز دیکھ
 کہہ رہے ہیں ایک دوچے کو سمجھی کافر یہاں!
 یہ اخوت کے سکھانے کا حسین انداز دیکھ

.....☆☆.....

لاحوال

اک عمر گذاری ہے یوں خواب کی نگری میں
 لوٹے ہیں مزے ہم نے مہتاب کی نگری میں
 احباب بھی پڑھتے ہیں ”لاحوال ولا قوت“
 شیطان کا تسلط ہے احباب کی نگری میں!

.....☆☆.....

فکر امروز

اضافہ ہر مہینے ہو رہا ہے
 ہو بھلی ، گیس ، ٹیلی فون کا بل
 ملازم آدمی ہوں کیا کہوں میں؟
 دھڑکتا ہے ہر اک لمحہ مرا دل!

.....☆☆.....

مظلوم

ڈرے ، سہے ہیں کیوں اُستاد سارے؟
 کوئی بچہ انہیں پتھر نہ مارے!
 سہارا تھے کبھی جو دوسروں کا
 وہی سجاد ہیں خود بے سہارے!

.....☆☆.....

احتیاط

دیکھو تمہارا پیار بھی لٹیا ڈبو نہ دے
 مجھ سا غلام گردشِ دوراں میں کھونہ دے؟
 تم جس سے کہہ رہے ہو کہ وہ آیا ہے کیوں یہاں
 مایوس ہو کے وہ کہیں محفل میں رو نہ دے

.....☆☆.....

سچ بات

مختصر بات کر رہا ہوں میں
 جیسے تاوان بھر رہا ہوں میں
 میں فسادی نہیں ہوں جانِ من!
 دھول دھپے سے ڈر رہا ہوں میں

.....☆☆.....

ہماری گائے

رقابت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے
 کرم غیروں پہ وہ فرما رہی ہے!
 پلا آتی ہے کس کو دودھ اپنا؟
 ہماری گائے جو کھلائے رہی ہے!

.....☆☆.....

کھیل یا تجارت؟

ہر اک تفریح کے جھوٹے سہارے
 غریبوں نے کڑے دن ہیں گزارے
 یہاں ہر کھیل ہے اب اک تجارت!
 کہاں زردار، نے ڈاکے نہ مارے؟

.....☆☆.....

خودداری

بلندی پر خودی سجاد رکھی
 کبھی دلدار کے پیچھے نہ بھاگے
 ہمیں شہرت سے کچھ مطلب نہیں تھا
 اُسی اخبار کے پیچھے نہ بھاگے!

.....☆☆.....

شوختی گفتار

آلودہ شراب ہیں افکار دیکھنا!
 اب شیخ جی کا، آپ ہی کردار دیکھنا
 ہر شب بدل کے بھیں وہ آتے ہیں میکدے
 پینے کے بعد شوختی گفتار دیکھنا!

.....☆☆.....

مراجعةت

کہیں پھولوں کی وادی میں، کبھی تاروں کی چھاؤں میں
 گزاری زندگی ہم نے یونہی فاقہ سراوں میں!
 تمہارے شہر میں دیکھی ہے وہ تزلیل انسانی!
 پلٹ کر آ گئے سجاد مرزا اپنے گاؤں میں



اندیشہ

اس شوخ کی جھوٹی باتوں سے اب دل کو تسلی کیا ہوگی
 رسوائی کے بادل چھائے ہیں، برسات ”اوی“ کیا ہوگی
 تم اپنا مصلا کاندھے پربے کار اٹھائے پھرتے ہو!
 جس قوم کی قسمت سوئی ہو وہ قوم ”مصلی“ کیا ہوگی



ڈوب گئی

سگریٹ کے بل کھائے دھوئیں میں میری جوانی ڈوب گئی
 کچھ اس کی باتیں یاد رہیں، کچھ اپنی کہانی ڈوب گئی
 اب دن کے اجائے میں آ کر چوروں کا راجہ کہتا ہے
 اس گاؤں کے ”چھپڑ“ میں کل شب اک روپ کی رانی کی ڈوب گئی

.....☆☆.....

اہتمام نہیں

شہرت عام میں کلام نہیں
 ہر سخن کو مگر دوام نہیں!
 رونے دھونے کا التزام بہت
 مسکرانے کا اہتمام نہیں!

.....☆☆.....

سو ہے وہ بھی آدمی

دولت کما رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 دھکے جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 رونق بڑھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 رونق گھٹا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

.....☆☆.....

نصیحت

کل گئے تھے، آج وال جانے کا تم سوچو نہیں
 قدر کھو دیتا ہے ہر اک روز کا جانا، سنو
 ہے یہی بہتر تمہارے واسطے سجاد جی!
 گھر میں بیٹھو اور ”مہدی خان“ کا گانا سنو

.....☆☆.....

شوختی رفتار

لنگڑا کے چل رہا ہے وہ "اہل زبان" آج
 اچھا ہوا جو شوختی رفتار کم ہوئی
 باتوں کی تیز گام میں ٹھہراؤ آگیا!
 لگتا ہے جیسے رونق بازار کم ہوئی

.....☆☆.....

دیکھ کر

سودا کریں گے ہم تو کھرا مال دیکھ کر
 پھسلیں گے اور لوگ تیری چال دیکھ کر
 ان کو پھنسانے والی کوئی اور چیز ہے!
 پھنسنے نہیں پرند کبھی جال دیکھ کر

.....☆☆.....

فکرِ فردا

وہ لے گئی ہے خوشبوئیں ساری سمیٹ کر
 کاغذ کے پھول دے گئی مجھ کو لپیٹ کر
 ملتی ہے کس لیے مجھے ہر روز بار بار؟
 اکثر یہی ہوں سوچتا بستر پہ لیٹ کر



اور پھر بیاں اپنا

مجھے ہر روز لا کر نان اور پائے کھلاتا تھا
 ”خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں“

اچھا ہے لے کے پھرتی ہو کتیا کو ساتھ ساتھ
 ”لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دئے“

نامہ بر کے ہاتھ جو بھیجا ہے ”میک اپ بکس“ بھی
 ”اس پر کھل جائے کہ مجھ کو حسرتِ دیدار ہے“

ہر روز جا کے راوی میں نگا نہاتا تھا
 ”حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا“

اکیلی چھوڑ کر کلوکی ماں کو، اس کے میکے میں
 ”پرانے دلیں میں جانا مجھے اچھا نہیں لگتا“

بناؤ گرم مسالے کی تم ادھر فلمیں
 ”مکیں ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں“

شیخ بولے دیکھ کر ”سن باتھ“ کرتی گوریاں
 ”آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق“

.....
 ہوا بھنگن پہ لٹو چاند جیسا اک حسیں لڑکا
 ”اگر کج روہیں انجم ، آسمان تیرا ہے یا میرا“

.....
 تو پکا کے کھیر جانا! کیوں اکیلی کھا رہی ہے؟
 وہی میری کم نصیبی ، وہی تیری بے نیازی“

رقبوں سے ملا کر ہاتھ، اک عاشق یہ کہتا تھا!
”تمہیں چاہوں، تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں“

.....
تمہارے ساتھ میں لندن کی سیر کر آؤں
”کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے“

.....☆☆.....

Marfat.com